پندرہ روزہ

تعمیرِ حیات

لکھنؤ

خلفائے راشدینؓ اور خدمت دین

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ۲۳ سالہ تربیت وہدایات کے بعد آپؐ کے معتمدترین اصحابؓ کے پاس ۳۰ سال تک اس ذمہ داری کے رہنے سے جس میں حضورؐ کے زمانہ میں اختیار کردہ طریقۂ عمل کے عین مطابق کام انجام پائے اور آئندہ کے لیے نمونہ بنا، حضورؐ کے معتمدترین خلفاءؓ کے نظام وانصرام کی یہ ۳۰ سال کی مدت ایسی مدت تھی کہ اس کے اختتام پر نظم وانتظام سنبھالنے کا کام نئی نسل تک بتدریج منتقل ہوا، جس میں براہ راست حضورؐ کی سرپرستی نہیں تھی، لیکن عین حضورؐ کے زمانے کی اختیار کردہ کی طرح تھی، اور یہ دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی انتظام تھا، وہ یہ کہ دس سال وحی الٰہی کے تحت خود حضورؐ کے ذریعہ پھر تیس سال آپؐ کے تربیت یافتہ حضراتؓ کے تحت گزریں اور ان چالیس سال میں دین اسلام کے معیاری نظام کا نمونہ سامنے آجائے اور قیامت تک اسی کو سامنے رکھ کر عمل کی کوشش کی جائے کیونکہ دین مکمل ہوگیا تھا۔

لہٰذا اس کے مکمل ہونے کا نمونہ قیامت تک سامنے رہے، اب اس میں کسی ترمیم کی ضرورت پیش نہیں آنا ہے، قیامت تک انسانوں کی صلاح وفلاح کے لیے وہ بالکل کافی ہے، اس لیے کہ وہ اللہ رب العالمین کا دیا ہوا دین ہے، جو انسانوں کے مزاج اور ضرورتوں کو شروع سے آخر تک جاننے والا بلکہ بنانے والا ہے، اسی لحاظ سے اس کو مکمل فرمادیا گیا، اور اللہ کی طرف سے اس کی حفاظت کا وعدہ بھی فرمادیا گیا۔

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

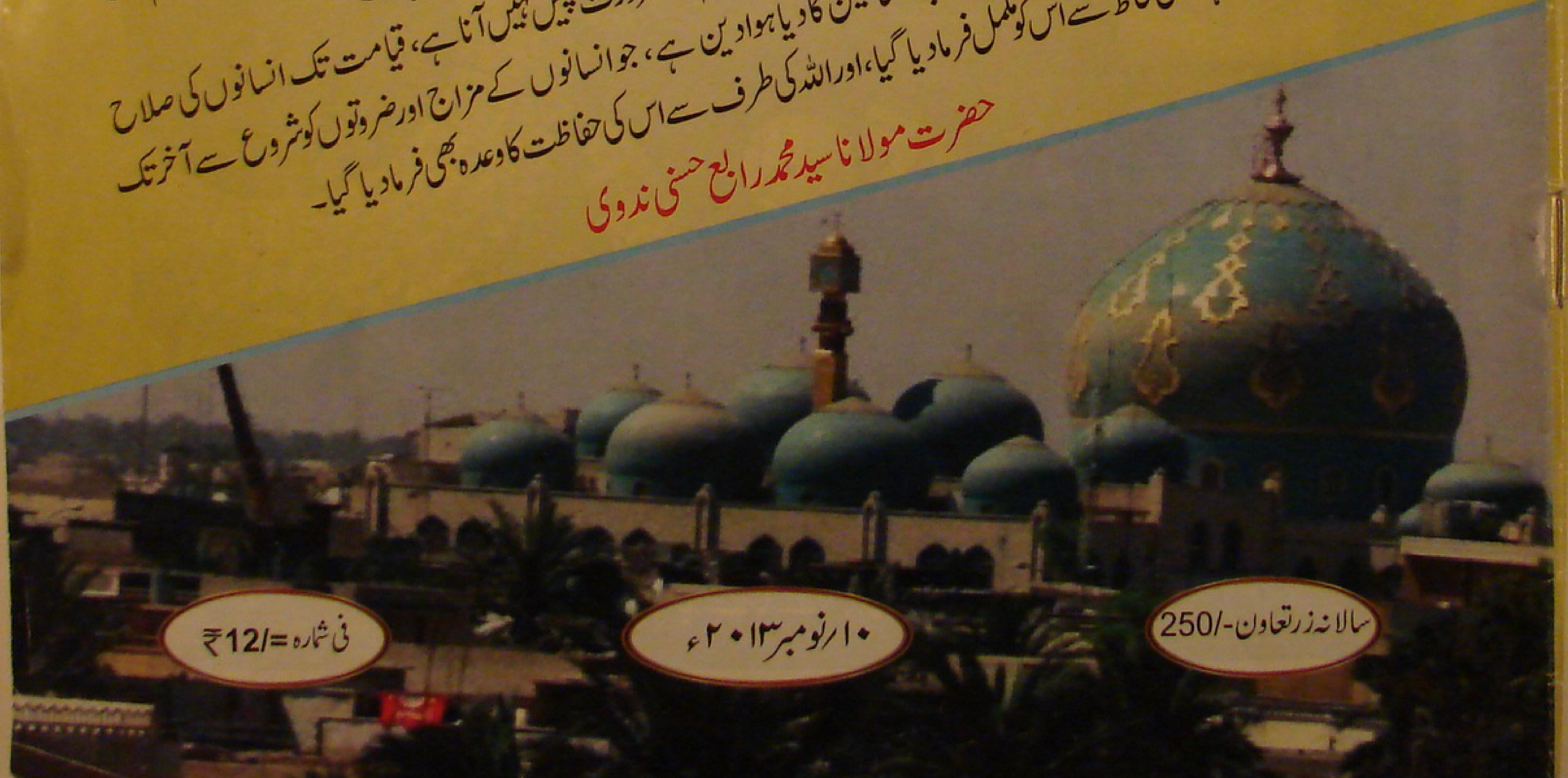

فی شمارہ =/12₹
۱۰؍نومبر ۲۰۱۳ء
سالانہ زرتعاون -/250

جرنل
11226
—
187429

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعمیرِ حیات

پندرہ روزہ تعمیرِ حیات لکھنؤ

جلد نمبر ۵۱ — ۱۰؍نومبر ۲۰۱۳ء مطابق ۵؍محرم الحرام ۱۴۳۴ھ — شمارہ نمبر ۱

اس شمارے میں

شعروادب		
تو مردِ مسلماں ہے تو پیغامِ عمل دے	ماہر القادری مرحوم	۲
اداریہ		
نبی کا پیغام زندہ ہے!	شمس الحق ندوی	۳
مثالی حکمراں		
حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ	علامہ شبلی نعمانی	۵
قدیم صالح جدید نافع		
مسلمانوں کی تعلیم میں ترقی کی ضرورت	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	۹
اخوت اسلامی		
اتحاد اسلامی اور مسلمان	مولانا ابوالکلام آزادؒ	۱۲
سچی باتیں		
افضل سمجھنا بے بنیاد ہے	مولانا مفتی محمد تقی عثمانی	۱۵
حکمت وشعور		
کامیابی کی شاہ کلید	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۱۸
اسوۂ صحابہؓ		
دینی و اسلامی اخوت	مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی	۲۱
شمع ہدایت		
قرآن میں تمام مسائل کا حل موجود	جاوید اختر ندوی	۲۳
طب اسلامی		
مسواک اور برش	سید خلیل احمد حسنی ندوی	۲۵
نجوم تاباں		
حضرت ابوسفیان بن حارثؓ	ادارہ	۲۷
فقہ و فتاویٰ		
سوال وجواب	مفتی محمد ظفر عالم ندوی	۳۰

زیرِ سرپرستی
حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مولانا مفتی محمد ظہور ندوی
(نائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

زیرِ نگرانی
مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی
(ناظر عام ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مدیر مسئول
شمس الحق ندوی

نائب مدیر
محمود حسن حسنی ندوی

مجلس مشاورت
- مولانا خالد ندوی غازی پوری
- نعیم الرحمٰن صدیقی ندوی

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ
Tameer-e-Hayat
Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow-226007
E-mail: nadwa@sancharnet.in, Ph: (0522) 2740406

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

سالانہ زرتعاون -/250	فی شمارہ -/12	ایشیائی، یورپی، افریقی وامریکی ممالک کے لئے ۔50$ ڈالر	

ڈرافٹ منیجر تعمیر حیات کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ کے پتہ پر روانہ کریں۔ چیک سے بھیجی جانے والی رقم صرف All CBS Payable Multicity Cheques روانہ فرمائیں، بصورت دیگر -/30 روپے جوڑ کر چیک دیں۔ براہ کرم اس کا خیال رکھیں۔

آپ کے خریداری نمبر کے نیچے اگر کالی لکیر ہے تو سمجھئے کہ آپ کا زرتعاون ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا جلدی زرتعاون ارسال کریں منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں۔ اگر موبائل یا فون نمبر ہو تو اپنے شہر کے کوڈ نمبر کے ساتھ لکھئے۔ (منیجر تعمیر حیات)

پرنٹر پبلشر اطہر حسین نے آزاد پرنٹنگ پریس، نظیر آباد، لکھنؤ سے طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات ٹیگور مارگ، بادشاہ باغ لکھنؤ سے شائع کیا۔

شعروادب

تو مردِ مسلماں ہے تو پیغامِ عمل دے

ماہر القادری مرحوم

پھر صبح طربناک نکلتی نظر آئے
صہبائے عمل جام میں ڈھلتی نظر آئے
تو مرد مسلماں ہے تو پیغام عمل دے
سرمایۂ عظمت ہے تیری ذات گرامی
طوفان کی شورش ہے تیری مست خرامی
ایمان کی دولت تجھے اللہ نے دی ہے
اخلاق تیرے پاس ہیں ایمان تیرے پاس
کونین کی رفعت کے ہیں سامان تیرے پاس
تو چاہے تو ڈوبا ہوا خورشید نکل آئے
تو وہ کہ دہل جائے تیرے نام سے دنیا
زندہ ہے ابھی تک تیرے پیغام سے دنیا
دنیا کی حکومت کا سزاوار توئی ہے
تو روح بلالی ہے کبھی فکر غزالی
جھکتے ہیں تیرے سامنے اصنام خیالی
مٹھی میں تیری گردش افلاک و زمین ہے
پھر معرکۂ بدر زمانہ میں ہے در پیش
ڈر ہے کہ تیرا مال نہ لٹ جائے کم و بیش

اقوام کی تاریخ بدلتی نظر آئے
گرتی ہوئی مخلوق سنبھلتی نظر آئے
اٹھ اور زمانے کے مقدر کو بدل دے
تو خالق و مخلوق کے مابین پیامی
اے تجھ کو سزاوار محمدؐ کی غلامی
دنیا تیرے قدموں کی طرف دیکھ رہی ہے
ایقان تیرے پاس ہے عرفان تیرے پاس
تلوار تیرے پاس ہے قرآن تیرے پاس
تدبیر تو کیا چیز ہے تقدیر بدل جائے
پاتی ہے نئی زیست تیرے کام سے دنیا
مست مئے الفت ہے تیرے جام سے دنیا
اللہ کے اکرام کا حقدار توئی ہے
تو شان جلالی ہے کبھی ناز جمالی
آزاد ہے ، آزاد تیری فطرت عالی
کفار کی کثرت کا تجھے خوف نہیں ہے
پھر تیرے مٹانے کو ہے تیار جفاکیش
اسلام کے در پے ہیں جفاکار ، بد اندیش

الہام ہے شاعر کا یہ پیغام نہیں ہے
بیدار کہ سونے کا یہ ہنگام نہیں ہے

☆☆☆☆☆

اداریہ

نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا پیغام زندہ ہے!

شمس الحق ندوی

سنہ ہجری ۱۴۳۵ کا یہ پہلا مہینہ ہے، اس سے بھی کچھ سال پہلے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادہ حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا تو مخالفین کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جملے کسنے اور چڑھانے کا ایک نیا عنوان مل گیا، اور خوش ہو ہو کر کہنے لگے: بیٹے کی موت کے بعد کوئی جانشیں تو ہوگا نہیں، ان کا دین مٹ مٹا کر ختم ہو جائے گا، اس کا کوئی نام ونشان نہ رہ جائے گا۔

یہ قرآن کریم کا کیسا کھلا ہوا معجزہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا جا رہا ہے: "اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ" آپ بالکل فکر نہ کریں یقیناً بے نام ونشان تو آپ کا دشمن ہی ہو جائے گا، اس لیے آپ بالکل رنجیدہ نہ ہوں، آپ کا دین تو خوب چمکے گا، خوب پھیلے گا۔

قرآن کریم کی یہ پیش گوئی جو تقریباً ساڑھے چودہ سو سال پہلے کی گئی ہے، حرف بحرف پوری ہو کر رہی، ابو جہل، ابولہب اور عتبہ کا ذکر آج دنیا کے پردہ پر کہیں نہیں ہے، اگر کبھی آتا بھی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے صدقہ میں مذمت کے ساتھ۔

بات ابو جہل، ابولہب، اور عتبہ جیسے قسمت کے ماروں پر ہی نہیں ختم ہوتی، ان چودہ صدیوں میں اولاد آدمؑ کے اس سردار صلی اللہ علیہ وسلم (انا سید ولد آدم و لا فخر) کے نام کو مٹانے، بھلانے اور اس نسخۂ کیمیا کو مٹا دینے اور ختم کر دینے کی کیا کیا تدبیریں نہیں کی گئیں، اور سازشوں کے کیسے کیسے طریقے نہیں اپنائے گئے، حتیٰ کہ خود مسلمانوں ہی میں سے ایسے لوگوں کو نہیں تیار کیا گیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور قیامت تک کے لیے پوری انسانیت کی فلاح وکامیابی کے ضامن اور سکون وچین کی زندگی عطا کرنے والے اس پیغام کو نقصان پہنچانے اور مٹانے کے منصوبے کو کامیاب بنائیں۔

لیکن دنیا کا کون پڑھا لکھا اور باشعور شخص اس حقیقت کو جھٹلا سکتا ہے کہ ان چودہ صدیوں میں ایسے کتنے بدنصیب افراد ہی نہیں جماعتیں اور قومیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام و پیغام کے مٹانے کے لیے وجود میں آتی رہیں اور مٹتی رہیں، زمانہ بدلتا رہا، اہل زمانہ کا ذوق ومزاج بدلتا رہا، بدلتا بھی رہا اور مٹتا بھی رہا۔

لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اور کام صرف باقی ہی نہیں رہا، بلکہ برابر چمکتا اور روشن ہوتا گیا اور ہوتا جا رہا ہے، اس کو دبانے اور مٹانے کی جتنی تدبیریں، منصوبے اور سازشیں وجود میں آتی ہیں، کچھ دنوں کے شور شرابے کے بعد مٹتی جاتی ہیں، دنیا جتنا آگے بڑھتی جاتی ہے، عقل وحکمت جتنا ترقی کرتے جاتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کا چہرہ اور روشن سے روشن تر ہوتا جاتا ہے، کیا آکسفورڈ اور کیمبرج کی یونیورسٹیوں میں آپ ہی کے نام و پیغام پر ریسرچ کا کام نہیں ہو رہا ہے؟ (بقول مولانا عبدالماجد دریابادیؒ) کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ کو زندہ ومحفوظ رکھنے کے لیے ہالینڈ اور جرمنی کے بڑے بڑے دارالاشاعت وقف نہیں ہیں؟!

اور کیا دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہر روز خالق کائنات کے نام کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہیں بلند ہو رہا ہے؟ بلکہ اختلاف مطالع کے اعتبار سے ایک محقق کے بقول کوئی لمحہ ایسا نہیں گذرتا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مالک حقیقی جل شانہ کے ساتھ نہ گونجتا ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ کی بعثت کے بعد طاقت کے نشہ میں سرشار کیسے کیسے فرعون وقارون اور چنگیز وہلاکو، دارا وسکندر، ہٹلر اور نپولین گذرے ہیں، علم وتحقیق کی دنیا میں کیسے کیسے عالم وفاضل، حکیم وفلسفی، ادیب ودانشور، سقراط وافلاطون، ارسطو، نیوٹن وڈاروِن دنیا کے پردہ پر نمودار ہوئے ہیں، کیا ان میں سے کسی کا نام ہر منٹ وسکنڈ نہ سہی، ہر روز بلکہ ہفتہ، مہینہ میں بھی لیا جاتا ہے؟

آج بھی کیا مسلمانوں کا دل دکھانے اور اسلام کا مذاق اڑانے کے لیے فلمیں نہیں تیار ہوتی رہتی ہیں، سلمان رشدی اور تسلیمہ نسرین جیسوں کا پرزور استقبال نہیں ہوتا، اس سب کے باوجود کیا ان ساڑھے چودہ صدیوں میں انسانیت کی فلاح وکامرانی کے دستور حیات قرآن کریم اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک [illegible] اور شوشہ میں کمی ہونے پائی ہے اور کیا اس وقت پوری دنیا تباہی وبربادی، قتل وغارت گری، بے حیائی وحیوانیت، درندگی وبہیمیت کے جس دور سے گذر رہی ہے، انسانوں کو اس سے بچانے، چین وسکون اور آرام وراحت کے گھنے سائے میں لانے کے لیے دنیا کے کسی بھی قانون وضابطہ حیات میں وہ اٹل اصول وضابطے

ہیں جو اسلام نے پیش کیے ہیں؟ کیا اس کے علاوہ کسی اور قانون کو دین رحمت اور کسی بڑی سے بڑی شخصیت کو رحمت عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کہا جا سکتا ہے، آج دنیا میں نہ کتابوں کی کمی ہے نہ کتب خانوں کی، لیکن بڑے سے بڑا محقق بتائے کہ دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب قرآن کریم کے علاوہ کوئی اور ہے؟ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کی گواہی ہے کہ روئے زمین پر سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب یہی قرآن مجید ہے، کیا اس حقیقت کو جھٹلایا جا سکتا ہے کہ اس دہریت و الحاد کے دور میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اور پیغام کو سینے سے لگانے اور دل میں بسانے والوں کی تعداد ایک ارب سے بھی زیادہ ہے۔

ہم اب تک جو کچھ لکھ چکے، اس کا حاصل یہ ہے کہ آج کے موجودہ حالات میں جس میں پورے پورے ملکوں اور براعظموں کی آبادیاں پڑھے لکھے، مہذب لٹیروں، ڈاکوؤں میں تبدیل ہو گئی ہیں، بے انصافی، بے رحمی، ظلم و ستم، جھوٹ و فریب، بے حیائی و بے شرمی۔ حقیقت یہ ہے کہ شریفانہ انسانی نگاہوں سے دیکھا جائے تو صاف محسوس ہوگا کہ پوری انسانی آبادی نا قابل بیان اخلاقی بیماریوں میں مبتلا آہ و کراہ کی زندگی گذار رہی ہے۔

پہلے قحبہ خانے اور قمار بازی کے اڈے اخلاقی پستی کے سب سے بڑے پھوڑے سمجھے جاتے تھے، لیکن آج انسانی تمدن پورے کا پورا ہی ایک پھوڑا بن چکا ہے، اس کے لیے کسی ثبوت اور دلیل کی ضرورت نہیں، روزمرہ کے اخبارات میں کیسی کیسی گھناؤنی خبریں، خودکشی و مار دھاڑ کے کیسے کیسے دردناک واقعات سامنے آتے رہتے ہیں۔ دنیا جہان کے کسی بھی ملک کا قانون اس کا کوئی حل پیش کر سکتا ہے؟؟؟

انسانیت کے اس درد کا درماں اگر کہیں ہے تو اسی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے پیغام میں ہے، جس کو کسی خاص ملک و قوم کے لیے نہیں، بلکہ پوری انسانی آبادی کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے، مزید کسی تفصیل میں جانے کے بجائے ہم نامور مؤرخ ڈاکٹر گبن کی مشہور تصنیف سے یہ اقتباس پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

”قرآن مجید کی نسبت بحر اٹلانٹک سے لے کر دریائے گنگا تک نے مان لیا ہے کہ یہ پارلیمنٹ کی روح ہے، قانون اساسی ہے، اور صرف اصول مذہب ہی کے لیے نہیں، بلکہ احکام تعزیرات کے لیے اور ان قوانین کے لیے بھی ہے، جن پر نظام کا مدار ہے، جس سے نوع انسانی کی زندگی وابستہ ہے، جن کو حیات انسانی کی ترتیب و تنسیق سے گہرا تعلق ہے، حقیقت یہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت سب پر حاوی ہے، یہ شریعت ایسے دانشمندانہ اصول اور اس قسم کے قانونی انداز پر مرتب ہوئی ہے کہ سارے جہاں میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی ہے“۔ [ملاحظہ ہو: قرآن مجید۔ انسانی زندگی کا رہبر کامل، از مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، ص/۱۶۶]

☆☆☆☆☆

ایک اہم خوش خبری

آسان معانی قرآن (مختصر حواشی کے ساتھ)

صفحات: ۶۲۴ — نٹ قیمت: ۱۵۰ روپے

دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے فضلاء کی تفسیری و قرآنی خدمات کا ایک تسلسل ہے جو اس کے فضلائے اولین علامہ سید سلیمان ندویؒ، مولانا عبد الباری ندویؒ، اور بعد میں مولانا محمد اویس نگرامی ندویؒ، مولانا عبد السلام قدوائی ندویؒ، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندویؒ، اور پھر مولانا ڈاکٹر عبد اللہ عباس ندویؒ اور حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے قلم گوہر بار سے تصنیفی طور پر اور درس و افادہ کے طریقے سے سامنے آتا رہا، اس وقت بھی اس کے کئی فضلاء اس مقدس خدمت میں مصروف عمل ہیں جیسے مولانا سید احتشام احمد ندوی، مولانا محمد حسان نعمانی ندوی اور مولانا سید سلمان حسینی ندوی، اور ہندی ترجمۂ قرآن مجید کی سعادت بھی ہمارے بعض ندوی فضلاء نے حاصل کی۔

قارئین کے لیے یہ خوش خبری ہے کہ ”تعمیر حیات“ کے بانی مدیر مولانا سید محمد الحسنی مرحوم کے فرزند مولانا سید بلال عبد الحی حسنی ندوی کا اردو میں ”آسان معانی قرآن“ (مختصر حواشی کے ساتھ) منظر عام پر آگیا ہے جسے لکھنؤ و رائے بریلی کے مکتبوں سے حاصل کیا جا سکتا ہے، یہ مبارک پیش کش سید احمد شہید اکیڈمی، مرکز الامام ابی الحسن الندوی، دار عرفات رائے بریلی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول و مبارک فرمائے، آمین۔

☆☆☆

مثالی حکمراں

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

علامہ شبلی نعمانی

صیغۂ تعلیم

حضرت عمرؓ نے تعلیم کو نہایت ترقی دی تھی، تمام ممالک مفتوحہ میں ابتدائی مکاتب قائم کیے تھے جن میں قرآن مجید، اخلاقی اشعار اور امثال عرب کی تعلیم ہوتی تھی، بڑے بڑے علمائے صحابہؓ اضلاع میں حدیث و فقہ کی تعلیم کے لیے مامور کیے تھے، مدرسین اور معلمین کی تنخواہیں بھی مقرر کی تھیں۔

اشاعت اسلام کا طریقہ

اس صیغے کا سب سے بڑا کام اشاعت اسلام تھا، اشاعت اسلام کے یہ معنی نہیں کہ لوگوں کو تلوار کے زور سے مسلمان بنایا جائے، حضرت عمرؓ اس طریقے کے بالکل خلاف تھے اور جو شخص قرآن مجید کی اس آیت پر ”لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ“ بلا تاویل عمل کرنا چاہتا ہے وہ ضرور اس کے خلاف ہوگا، حضرت عمرؓ نے خود ایک موقع پر یعنی جب ان کا غلام باوجود ہدایت و ترغیب کے اسلام نہ لایا تو فرمایا کہ: ”لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ“۔

اشاعت اسلام کے یہ معنی ہیں کہ تمام دنیا کو اسلام کی دعوت دی جائے اور لوگوں کو اصول اور مسائل سمجھا کر اسلام کی طرف راغب کیا جائے، حضرت عمرؓ جس ملک پر فوجیں بھیجتے تھے، تاکید کرتے تھے کہ پہلے ان لوگوں کو اسلام کی ترغیب دلائی جائے اور اسلام کے اصول و عقائد سمجھائے جائیں، قاضی ابو یوسف صاحب نے لکھا ہے، حضرت عمرؓ کا معمول تھا کہ جب ان کے پاس کوئی فوج مہیا ہوتی تھی تو اس پر ایسا افسر مقرر کرتے تھے، جو صاحب علم اور صاحب فقہ ہوتا تھا، یہ ظاہر ہے کہ فوجی افسروں کے لیے علم و فقہ کی ضرورت اسی تبلیغ اسلام کی ضرورت سے تھی، ایرانیوں اور عیسائیوں کے پاس جو اسلامی سفارتیں گئیں، انھوں نے بڑی خوبی اور صفائی سے اسلام کے اصول و عقائد ان کے سامنے بیان کیے۔

اشاعت اسلام کی بڑی تدبیر یہ ہے کہ غیر قوموں کو اسلام کا جو نمونہ دکھلایا جائے وہ ایسا ہو کہ خود بخود لوگوں کے دل اسلام کی طرف کھنچ آئیں، حضرت عمرؓ کے عہد میں نہایت کثرت سے اسلام پھیلا اور اس کی بڑی وجہ یہی تھی کہ انھوں نے اپنی تربیت اور ارشاد سے تمام مسلمانوں کو اسلام کا اصلی نمونہ بنا دیا تھا، اسلامی فوجیں جس ملک میں جاتی تھیں، لوگوں کو خواہ مخواہ ان کے دیکھنے کا شوق پیدا ہوتا تھا کیونکہ چند بادیہ نشینوں کا دنیا کی تسخیر کو اٹھنا حیرت اور استعجاب سے خالی نہ تھا، اس طرح جب لوگوں کو ان کے دیکھنے اور ان سے ملنے جلنے کا اتفاق ہوتا تھا تو ایک ایک مسلمان سچائی، سادگی، پاکیزگی، جوش اور اخلاص کی تصویر نظر آتا تھا، یہ چیزیں خود بخود لوگوں کے دل کو کھینچتی تھیں اور اسلام ان میں گھر کر جاتا تھا۔

حضرت عمرؓ نے قرآن مجید کی جمع و ترتیب میں کوشش کی

یہ مسلم ہے کہ اسلام کا اصل الاصول قرآن مجید ہے اور اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ قرآن مجید کا جمع کرنا، ترتیب دینا، صحیح نسخہ لکھوا کر محفوظ رکھنا، تمام ممالک میں اس کی تعلیم کا رواج دینا، جو کچھ ہوا حضرت عمرؓ کے اہتمام اور توجہ سے ہوا، تفصیل اس کی یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد تک قرآن مجید مرتب نہیں ہوا تھا، متفرق اجزاء متعدد صحابہؓ کے پاس تھے، وہ بھی کچھ ہڈیوں پر، کچھ کھجور کے پتوں پر، کچھ پتھر کی تختیوں پر، کسی کو کوئی سورۃ یاد تھی کسی کو کوئی، حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں جب مسیلمہ کذاب سے لڑائی ہوئی تو سیکڑوں صحابہؓ شہید ہوئے جن میں بہت سے حفاظ قرآن تھے، لڑائی کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے پاس جا کر کہا کہ ”اگر اسی طرح حفاظ قرآن اٹھتے گئے تو قرآن جاتا رہے گا اس لیے ابھی سے اس کی جمع و ترتیب کی فکر کرنی چاہیے“، حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا تو میں کیوں کر کروں؟

حضرت عمرؓ نے بار بار اس کی مصلحت اور ضرورت بیان کی، یہاں تک کہ حضرت ابوبکرؓ ان کی رائے سے متفق ہو گئے، صحابہؓ میں سے وحی کے لکھنے کا کام سب سے زیادہ زید بن ثابتؓ نے کیا تھا، چنانچہ وہ طلب کیے گئے اور اس خدمت پر مامور ہوئے کہ جہاں جہاں سے قرآن کی سورتیں یا آیتیں ہاتھ آئیں یکجا کی جائیں، حضرت عمرؓ نے مجمع عام میں اعلان کیا کہ جس نے قرآن کا کوئی حصہ رسول اللہؐ سے سیکھا ہو، میرے پاس لے کر آئے، اس بات کا التزام کیا گیا کہ جو شخص کوئی آیت پیش کرتا تھا اس پر دو شخصوں کی شہادت لی جاتی تھی کہ ہم نے اس کو آنحضرتؐ کے عہد میں قلمبند دیکھا تھا، غرض اس طرح جب تمام سورتیں جمع ہو گئیں تو چند آدمی مامور ہوئے کہ ان کی نگرانی میں پورا قرآن ایک مجموعہ میں لکھا جائے۔

سعید بن العاصؓ بتاتے جاتے تھے، اور زید بن ثابتؓ لکھتے جاتے تھے مگر ان لوگوں کو حکم تھا کہ کسی لفظ کے تلفظ و لہجہ میں اختلاف پیدا ہو تو قبیلہ

معنی کے لہجہ کے مطابق لکھا جائے کیونکہ قرآن مجید معنی ہی کی خاص زبان میں اترا ہے۔

اس وقت قرآن مجید کی حفاظت اور صحت کے لیے چند امور نہایت ضروری تھے، اول یہ کہ نہایت وسعت کے ساتھ اس کی تعلیم شائع کی جائے اور سیکڑوں ہزاروں آدمی حافظ قرآن بنا دیے جائیں تاکہ تحریف وتغیر کا احتمال نہ رہے، دوسرے یہ کہ اعراب اور الفاظ کی صحت نہایت اہتمام کے ساتھ محفوظ رکھی جائے، تیسرے یہ کہ قرآن مجید کی بہت سی نقلیں ہوکر ملک میں کثرت سے شائع ہوجائیں۔

بدؤوں کو جبری تعلیم

خانہ بدوش بدؤوں کے لیے قرآن مجید کی تعلیم جبری طور پر قائم کی چنانچہ ایک شخص کو جس کا نام ابو سفیان تھا چند آدمیوں کے ساتھ مامور کیا کہ قبائل میں پھر پھر کر ہر شخص کا امتحان لے اور جس کو قرآن مجید کا کوئی حصہ یاد نہ ہو اس کو سزا دے۔

حاجیوں کی قافلہ سالاری

چونکہ عہد خلافت میں متصل دس حج کیے، اس لیے میر حاج ہمیشہ خود ہوتے تھے اور حجاج کی خبر گیری کی خدمت خود انجام دیتے تھے۔

مساجد کی تعمیر

تمام ممالک مفتوحہ میں نہایت کثرت سے مسجدیں تیار کرائیں، ابوموسیٰ اشعریؓ کو جو کوفے کے حاکم تھے، لکھا کہ بصرہ میں ایک جامع مسجد اور باقی ہر قبیلہ کے لیے الگ الگ مسجدیں تعمیر کی جائیں، سعد بن وقاصؓ اور عمرو بن العاصؓ کو بھی اسی قسم کے احکام بھیجے، شام کے تمام عمال کو لکھا کہ ہر ہر شہر میں ایک ایک مسجد تعمیر کی جائے چنانچہ یہ مسجدیں آج بھی جوامع عمری کے نام سے مشہور ہیں گو ان کی اصلی عمارت اب باقی نہیں رہی، ایک جامع عمری میں جو بیروت میں واقع ہے، راقم کو بھی نماز ادا کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے، محدث جمال الدین نے "روضۃ الأحباب" میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں چار ہزار مسجدیں تعمیر ہوئیں، یہ خاص تعداد گو قطعی نہ ہو لیکن کچھ شبہ نہیں کہ مساجد فاروقی کا شمار ہزاروں سے کم نہ تھا۔

حرم محترم کی وسعت

حرم محترم کی عمارت کو وسعت دی اور اس کی زیب وزینت پر توجہ کی، اس کی تفصیل یہ ہے کہ اسلام کو جو روز افزوں وسعت ہوتی جاتی تھی اس کے لحاظ سے حرم محترم کی عمارت کافی نہ تھی، اس لیے ۱۷ھ میں گرد و پیش کے مکانات مول لے کر ڈھا دیے اور ان کی زمین حرم کے صحن میں شامل کردی، اس زمانے تک حرم کے گرد کوئی دیوار نہ تھی اور اس لیے اس کی حد عام مکانات سے ممتاز نہ تھی، حضرت عمرؓ نے احاطہ کی دیوار کھنچوائی اور اس سے یہ کام لیا کہ اس پر رات کو چراغ جلائے جاتے تھے، کعبہ پر غلاف اگرچہ ہمیشہ سے چڑھایا جاتا تھا چنانچہ جاہلیت میں بھی نطع کا غلاف چڑھاتے تھے لیکن حضرت عمرؓ نے قباطی کا بنوایا جو نہایت عمدہ قسم کا کپڑا ہوتا ہے اور مصر میں بنا جاتا ہے، حرم کی حدود سے (جو کسی طرف سے تین میل اور کسی طرف سے ۷ میل اور ۹ میل ہیں) چونکہ بہت سے شرعی احکام متعلق ہیں چنانچہ اسی غرض سے ہر طرف پتھر کھڑے کردیے گئے تھے جو انصاب حرم کہلاتے تھے، اس لیے حضرت عمرؓ نے ۱۷ھ میں نہایت اہتمام اور احتیاط سے اس کی تجدید کی، صحابہؓ میں سے جو لوگ حدود حرم کے پورے واقف کار تھے یعنی مخرمہؓ بن نوفل، ازہرؓ بن عبد عوف، حوطبؓ بن عبدالعزیٰ، سعیدؓ بن یربوع کو اس کام پر مامور کیا اور نہایت جانچ کے ساتھ پتھر نصب کیے گئے۔

مسجد نبویؐ کی وسعت اور مرمت

مسجد نبوی کو بھی نہایت وسعت اور رونق دی، آنحضرتؐ کے عہد میں جو عمارت تیار ہوئی تھی وہ اس عہد کے لیے کافی تھی، لیکن مدینہ کی آبادی روز بروز ترقی کرتی جاتی تھی اور اس وجہ سے نمازیوں کی تعداد بڑھتی جاتی تھی، ۱۷ھ میں حضرت عمرؓ نے اس کو وسیع کرنا چاہا، گرد و پیش کے تمام مکانات قیمت دے کر لیے، لیکن حضرت عباسؓ نے اپنے مکان کے بیچنے سے انکار کیا، حضرت عمرؓ کافی معاوضہ دیتے تھے اور حضرت عباسؓ کسی طرح راضی نہ ہوتے تھے، آخر مقدمہ ابی بن کعبؓ کے پاس گیا، انھوں نے فیصلہ کیا کہ حضرت عمرؓ کو بجبر خریدنے کا کوئی حق نہیں۔

حضرت عباسؓ نے فرمایا کہ اب میں بلا قیمت عامہ مسلمین کے لیے دے دیتا ہوں، غرض ازواج مطہرات کے مکانات کو چھوڑ کر باقی جس قدر عمارتیں تھیں، ڈھا کر وسعت دی گئی، پہلے طول ۱۰۰ گز تھا، انھوں نے ۱۴۰ گز کردیا، اسی طرح عرض میں ۲۰ گز کا اضافہ ہوا، لیکن عمارت میں کچھ تکلف نہیں کیا، آں حضرتؐ کے عہد میں جس طرح ستون وغیرہ لکڑی کے تھے، اسی طرح رہے، حضرت عمرؓ نے مسجد کی تجدید کے ساتھ ایک گوشہ میں ایک چبوترہ بھی بنوایا اور لوگوں سے کہا کہ جس کو بات چیت کرنی یا شعر پڑھنا ہو، یہ جگہ ہے۔

مسجد میں فرش اور روشنی کا انتظام

حضرت عمرؓ سے پہلے مسجد میں روشنی کا کچھ سامان نہیں تھا، اس کی ابتداء بھی حضرت عمرؓ کے عہد میں ہوئی، یعنی ان کی اجازت سے تمیم داریؓ نے مسجد میں چراغ جلائے، حضرت عمرؓ نے مسجد میں خوشبو اور بخور کا انتظام بھی کیا جس کی ابتدا یوں ہوئی کہ ایک دفعہ مال غنیمت میں عود کا ایک بنڈل آیا، حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کو تقسیم کرنا چاہا لیکن وہ کافی نہ تھا، حکم دیا کہ مسجد میں صرف کیا جائے کہ تمام

مسلمانوں کے کام آئے چنانچہ موذن کو حوالے کیا، وہ ہمیشہ جمعہ کے دن انگیٹھی میں جلا کر نمازیوں کے سامنے پھرتا تھا اور ان کے کپڑے بساتا تھا، فرش کا انتظام بھی اول حضرت عمرؓ نے ہی کیا، لیکن یہ کوئی پر تکلف قالین اور شطرنجی کا فرش نہ تھا بلکہ اسلام کی سادگی یہاں بھی قائم تھی یعنی چٹائی کا فرش تھا جس سے مقصود یہ تھا کہ نمازیوں کے کپڑے گرد خاک میں آلودہ نہ ہوں۔

سنہ ہجری مقرر کرنا

اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ ۱۶ھ میں حضرت عمرؓ کے سامنے ایک چیک پیش ہوئی صرف شعبان کا لفظ لکھا تھا، حضرت عمرؓ نے کہا یہ کیوں کر معلوم ہو کہ گزشتہ شعبان کا مہینہ مراد ہے یا موجودہ، اسی وقت مجلس شوریٰ منعقد کی، تمام بڑے بڑے صحابہ جمع ہوئے اور یہ مسئلہ پیش کیا گیا، اکثروں نے رائے دی کہ فارسیوں کی تقلید کی جائے چنانچہ ہرمزان جو خوزستان کا بادشاہ تھا اور اسلام لاکر مدینہ منورہ میں مقیم تھا، طلب کیا گیا، اس نے کہا کہ ہمارے ہاں جو حساب ہے اس کو ماہ و روز کہتے ہیں اور اس میں تاریخ اور مہینہ دونوں کا ذکر ہوتا ہے، اس کے بعد یہ بحث پیدا ہوئی کہ سنہ کی ابتداء کب سے قرار دی جائے، حضرت علیؓ نے ہجرت نبوی کی رائے دی اور اسی پر سب کا اتفاق ہوگیا، آنحضرتؐ نے ربیع الاول میں ہجرت فرمائی تھی، یعنی سال میں دو مہینے آٹھ دن گزر چکے تھے، اس لحاظ سے ربیع الاول سے آغاز ہونا چاہیے تھا لیکن چونکہ عرب میں سال محرم سے شروع ہوتا ہے، اس لیے دو مہینے آٹھ دن پیچھے ہٹ کر شروع سال سے سنہ قائم کیا۔

عرب میں اگرچہ قدیم سے لکھنے پڑھنے کا فی الجملہ رواج تھا چنانچہ جب اسلام کا زمانہ آیا تو ایک قریش کے قبیلہ میں ۱۷ شخص لکھنا پڑھنا جانتے تھے لیکن حساب کتاب سے عموماً لوگ بے بہرہ تھے، یہاں تک کہ جب ۱۴ھ میں ابلہ فتح ہوا تو تمام فوج میں ایک شخص نہ تھا جس کو حساب کتاب آتا ہو اور جو مال غنیمت کو قاعدے سے تقسیم کرسکتا ہو، لوگوں نے ایک ۱۴ سالہ لڑکے یعنی زید بن ابی سفیان کی طرف رجوع کیا اور اس صلے میں اس کی تنخواہ دو درہم یومیہ مقرر کی یا تو یہ حالت تھی یا حضرت عمرؓ کی بدولت نہایت خوبی سے ہر قسم کے مفصل کاغذات اور نقشے تیار ہوئے۔

مختلف قسم کے رجسٹر

سب سے مشکل اور پیچیدہ روزینہ داروں کا حساب تھا جو اہل عطا کہلاتے تھے اور جن میں ہر قسم کی فوجیں بھی شامل تھیں، ان کی تعداد لاکھوں سے متجاوز تھی اور مختلف گروہوں کو مختلف حیثیتوں سے تنخواہ ملتی تھی مثلاً بہادری کے لحاظ سے، شرافت کے لحاظ سے، پچھلی کارگزاریوں کے لحاظ سے، اس کے ساتھ قبائل کی تفریق بھی ملحوظ تھی یعنی ہر ہر قبیلے کا جدا جدا رجسٹر تھا اور ان میں بھی مختلف وجوہ کے لحاظ سے ترتیب قائم کر رکھی جاتی تھی، اس صیغے کے حساب و کتاب کی درستی کے لیے حضرت عمرؓ نے بڑے بڑے قابل لوگوں کو مامور کیا، مثلاً دارالخلافہ میں عقیل بن ابی طالبؓ، مخرمہ بن نوفلؓ، جبیر بن مطعمؓ، بصرہ میں مغیرہ بن شعبہؓ کو، کوفہ میں عبداللہ بن خلفؓ کو۔

دفتر خراج

تمام دفتر جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے تھے فارسی، شامی، قبطی زبان میں رہا کیونکہ عرب میں اس فن کو اس قدر ترقی نہیں ہوئی تھی کہ یہ دفتر عربی زبان میں زبان میں منتقل ہوسکتا۔

بیت المال کے کاغذات کا حساب

بیت المال کا حساب نہایت صحت سے مرتب رہتا تھا، زکوٰۃ اور صدقہ میں جو مویشی آتے تھے، بیت المال سے متعلق تھے، چنانچہ ان کے رجسٹر تک نہایت تفصیل سے مرتب تھے، جانوروں کا حلیہ، رنگ اور عمر تک لکھی جاتی تھی اور بعض وقت حضرت عمرؓ اپنے ہاتھ سے لکھتے۔

مصارف جنگ کے کاغذات

مصارف جنگ اور مال غنیمت کا حساب ہمیشہ افسروں سے طلب کیا جاتا تھا، چنانچہ حضرت خالدؓ کی معزولی اسی بنا پر ہوئی تھی کہ وہ کاغذات حساب کے بھیجنے کی ذمہ داری نہیں قبول کرتے تھے، جلولاء کی فتح میں جو ۱۶ھ میں واقع ہوئی تھی، زیاد بن ابی سفیانؓ حساب کے کاغذات لے کر مدینہ میں آئے تھے اور حضرت عمرؓ کو ملاحظہ کرایا تھا۔

مردم شماری کے کاغذات

زکوٰۃ اور جزیہ کی تشخیص کی ضرورت سے ہر مقام کی مردم شماری کرائی گئی تھی اور اس کے کاغذات نہایت اہتمام سے محفوظ تھے چنانچہ مصر و عراق کی مردم شماری کا حال مقریزی اور طبری نے تفصیل سے لکھا ہے، خاص خاص صنفوں کے لحاظ سے بھی نقشے تیار کرائے گئے تھے، مثلاً سعدؓ وقاصؓ کو حکم بھیجا تھا کہ جس قدر آدمی قرآن پڑھ سکتے ہیں ان کی فہرست تیار کی جائے، شاعروں کی فہرست بھی طلب کی تھی، مفتوحہ ممالک کی قوموں یا اور لوگوں سے جس قدر تحریری معاہدے ہوتے تھے وہ نہایت حفاظت سے ایک صندوق میں رکھے جاتے تھے جو خاص حضرت عمرؓ کے اہتمام میں رہتا تھا۔

اس موقع پر یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ اس وقت تک حساب کتاب کے لکھنے کا یہ طریقہ تھا کہ مستطیل کاغذ پر لکھتے تھے اور اس کو لپیٹ کر رکھتے تھے بعینہ اس طرح جس طرح ہمارے ملک میں مہاجنوں کی بہیاں ہوتی ہیں، کتاب اور رجسٹر کا طریقہ خلیفہ سفاح کے زمانے میں اس کے وزیر خالد

برکی نے ایجاد کیا، سکہ کی نسبت اگرچہ عام مورخوں نے لکھا ہے کہ عرب میں سب سے پہلے جس نے سکہ جاری کیا وہ عبدالملک بن مروان ہے، لیکن علامہ مقریزی کی تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے موجد بھی عمر فاروقؓ ہی ہیں چنانچہ اس موقع پر ہم علامہ موصوف کی عبارت کا لفظی ترجمہ کرتے ہیں:

جب امیر المومنین خلیفہ ہوئے اور خدا نے ان کے ہاتھ پر مصر و شام و عراق فتح کیا تو انھوں نے سکے کے معاملے میں کچھ دخل نہ دیا بلکہ پرانے سکے جو جاری تھے بحال رہنے دیے، ۱۸ھ میں جب مختلف مقامات سے سفارتیں آئیں تو بصرہ سے بھی سفراء آئے جن میں احنف بن قیسؓ بھی شامل تھے، احنف نے باشندگان بصرہ کی ضروریات اور حاجتیں بیان کیں، حضرت عمرؓ نے ان کی درخواست پر معقل بن یسارؓ کو بھیجا، جنھوں نے بصرہ میں ایک نہر تیار کرائی جس کا نام نہر معقلؓ ہے، حضرت عمرؓ نے اپنے سکے کے درہم جاری کیے جو نوشیروانی سکے کے مشابہ تھے، البتہ فرق تھا کہ حضرت عمرؓ کے سکوں پر الحمدللہ اور بعض سکوں پر "محمد رسول اللہ" اور بعض پر "لا الہ الا اللہ وحدہ" لکھا ہوتا تھا، حضرت عمرؓ کے اخیر زمانے میں دس درہم مجموعی رقم کا وزن چھ مثقال کے برابر ہوتا تھا۔

یہ مقریزی کی خاص روایت ہے لیکن اس قدر عموماً مسلم ہے کہ حضرت عمرؓ نے سکے میں ترمیم و اصلاح کی، علامہ ماوردی نے "الاحکام السلطانیہ" میں لکھا ہے کہ ایران میں تین قسم کے درہم تھے، بغلی آٹھ دانگ کا، طبری چار دانگ کا، مغربی تین دانگ کا، حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ بغلی اور طبری چونکہ زیادہ چلتے ہیں، اس لیے دونوں کو ملا کر ان کا نصف اسلامی درہم قرار دیا جائے چنانچہ اسلامی درہم چھ دانگ کا قرار دیا۔

☆☆☆☆☆

اور انصاف اپنی معراج کو پہنچ گیا

علامہ حافظ ابن کثیرؒ اپنی مایہ ناز تصنیف "البدایۃ والنہایۃ" میں رقم فرماتے ہیں کہ سلطان محمود بن سبکتگین کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا، اس نے جان کی امان پا کر عرض کیا کہ آپ کا بھانجا میری بیوی پر عاشق ہے، جب جی چاہتا ہے وہ زبردستی میرے گھر پر آجاتا ہے، اس نے میری بیوی سے ناجائز تعلقات قائم کر رکھے ہیں، اس کے خوف کی وجہ سے کوئی حاکم اس کے خلاف کارروائی کرنے کے لیے تیار نہیں، میں نے ہر طرف کوشش کی، امراء سے ملا، وزراء سے شکایت کی مگر میری تمام کوششیں ناکام رہیں، اس کے شر سے سب پناہ مانگتے ہیں، اس لیے میں آپ ہی سے انصاف کا طالب ہوں۔

سلطان محمود سبکتگین نے یہ شرمناک واقعہ سنا تو اس کا خون کھولنے لگا، اس نے شکایت کرنے والے سے کہا کہ آئندہ جونہی میرا بھانجا تمہارے گھر آئے، فوراً مجھے اطلاع دینا، اس بات کی قطعاً پرواہ نہ کرنا کہ رات ہے یا دن، پھر سلطان نے اپنے سکریٹری کو طلب کیا اور حکم جاری کیا کہ تمام سکیورٹی والوں کو اطلاع کردو کہ جب بھی یہ فریادی آئے، اسے فوراً میرے پاس پہنچا دیا جائے۔

دو دن گزرے، رات کا کچھ حصہ بیت چکا تھا کہ وہ شخص سلطان محمود کے محل آپہنچا، سلطان سو رہا تھا، اسے جگا کر بتایا گیا کہ فلاں شخص آپ سے ملاقات کے لیے حاضر ہوا ہے، سلطان فوراً اٹھا اور فریادی کے ساتھ اس کے گھر روانہ ہوگیا، گھر میں داخل ہوا تو اس نے اپنے بھانجے اور عورت کو ایک ہی بستر پر یکجا پایا، کمرے میں شمع روشن تھی، سلطان نے فریادی سے کہا کہ تم پیچھے ہٹ جاؤ، اس کے بعد وہ آگے بڑھا اور شمع گل کردی، پھر وہ بجلی کی طرح اپنے بھانجے کی طرف لپکا اور پلک جھپکتے ہی اس کی گردن تن سے جدا کردی، اب سلطان نے آواز دی: جلدی سے پانی لاؤ، وہ شخص پانی لے آیا تو سلطان نے بے تابی سے پانی پیا، اس شخص نے سلطان کو قسم دے کر پوچھا کہ آپ نے آتے ہی شمع کیوں بجھائی؟ سلطان نے کہا: تیرا ناس ہو! یہ میرا سگا بھانجا تھا، میں اسے ذبح ہوتے نہیں دیکھ سکتا تھا، میں نے سوچا ہو سکتا ہے اس کی شکل دیکھ کر مجھے رحم آجائے اور میں تقاضائے عدل پورا نہ کرسکوں۔ اس شخص نے اگلا سوال کیا: آپ نے اسے ذبح کرتے ہی پانی کیوں مانگا؟ سلطان نے جواب دیا: جب تم نے مجھے میرے بھانجے کے فعل بد کے بارے میں اطلاع دی تھی، میں نے قسم کھائی تھی کہ جب تک تمہاری مدد نہ کرلوں، مجھ پر کھانا پینا حرام ہے، میں اسی وقت سے پیاسا تھا، اس لیے میں نے فوراً پانی مانگا، اس شخص نے عادل سلطان محمود کو بڑی دعائیں دیں اور اس واقعے کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔

یہ ہے ہمارے نیک حکمرانوں کے کردار کی ایک جھلک، انہوں نے حق و انصاف کے معاملے میں اپنے اور بیگانے میں کبھی کوئی تمیز روا نہیں رکھی اور عدل و انصاف کا ترازو ہمیشہ سیدھا رکھا۔

[البدایۃ والنہایۃ: ۱۵/۶۳۴]

☆☆☆☆☆

قدیم صالح جدید نافع

مسلمانوں کی تعلیم میں ترقی کی ضرورت
اور قابل توجہ پہلو

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

تعلیم متمدن انسان کی ایسی ہی ضرورت ہے جیسے جسمانی صحت کے لیے کھانا، موجودہ عہد میں مغرب کی تعلیم کے میدان میں فکرمندی، ترقی اور نظم و انتظام پھر اس کے دوررس نتائج نکلنا سب کے سامنے ہے، ان کو دیکھ کر ہمارے پسماندہ مشرقی ممالک میں بھی اپنے لیے تعلیم کے بہتر نظم و انتظام کی ضرورت کا احساس بڑھا اور اس کے نتیجہ میں عصری مضامین کی درسگاہیں قائم کی گئیں اور کی جارہی ہیں، لیکن یہ عمل بڑے وسائل اور حسن انتظام اور فکرمندی کا طالب ہے، جس کی مسلمانوں میں کمی بھی ہے اور اسکے لیے توجہ بھی ابھی کم ہے، بہرحال اس کے جو مسائل اور تقاضے اور جو دشواریاں ہیں وہ مسلم دانشوروں کی خصوصی توجہ کی محتاج ہیں اور ان کے مخلصانہ فکر پر بہت بہتر نتائج کے حصول کا انحصار ہے۔

مسلمانوں کی قائم کردہ درسگاہوں میں ایک تو وہ درسگاہیں ہیں، جنہوں نے اپنے کو علم دینیہ کی حفاظت اور ترویج کے ساتھ وابستہ کرلیا ہے، وہ عوامی چندوں سے اپنی مالی ضرورت کو پورا کرتی ہیں، اور اس میں اسلامی شعور رکھنے والے اہل ثروت اپنے اپنے جذبۂ دینی کے مطابق حصہ لیتے ہیں، یہ درسگاہیں امت کو علمائے دین اور مذہبی رہبر و مصلح فراہم کرتی ہیں جو امت اسلامیہ میں دین کی حفاظت اور اس کی زندگی کو دینی ضوابط کا پابند بنانے کی کوشش کا اپنا فریضہ انجام دیتے ہیں۔

ہماری تعلیم گاہوں کو وقت کی رفتار اور علوم کے بڑھتے ہوئے قافلہ پر بھی پوری نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ علم برابر ترقی اور توسع کی راہ پر چل رہا ہے، اور وہ اس وقت انسان کی ہر طرح کی ترقی کا ذریعہ بن گیا ہے۔ ضرورت ہے کہ ہمارے ادارے نئی حاصل ہونے والی دریافتوں اور نئے پیدا ہونے والے اور ترقی کرنے والے علوم پر برابر نظر رکھیں تاکہ ہم ان کے سلسلہ میں پیچھے نہ رہ جائیں، اس کے لیے امت میں ایک روح بیدار کرنی ہوگی اور اہل قدرت افراد کو ان ضرورتوں کو پورا کرنے میں تعاون کرنے کی طرف متوجہ کرنا ہوگا۔

ان درسگاہوں کے متعدد اہم مسائل میں ایک اہم مسئلہ حکومت کی طرف سے ان کو تسلیم کرنے کا ہوتا ہے، پھر تسلیم کیے جانے کے بعد ان کو ملت کی خصوصیات کو باقی رکھتے ہوئے چلانے کا اور آزادانہ عمل کرنے کا مسئلہ ہوتا ہے، دوسرے ان کے مالی تقاضوں کو پورا کرنے کا مسئلہ طالب توجہ بن جاتا ہے کیونکہ ان کے شعبوں کی وسعت اور ان کے لیے وسائل کی ضرورت زیادہ مصارف کی متقاضی ہوتی ہے، جو حکومت وقت کی مدد یا فیاض اور سخی اہل ثروت کے تعاون ہی سے پورے کیے جاسکتے ہیں، پھر ایسی تعلیم گاہوں کی ضرورت مسلمانوں کی تعداد کے لحاظ سے جگہ جگہ قائم کیے جانے کی ہوتی ہے کیونکہ مسلمانوں کی تعداد ملک میں معتد بہ ہے اور ملک کے مختلف علاقوں میں پھیل رہی ہے، ان کی تعلیم کی ضرورت اور ان کی ضروری تعداد کو سامنے رکھتے ہوئے ان درسگاہوں کا قائم کرنا ایک ایسا عمل ہے جو حکومت کی مدد کے ساتھ قوم کے فراخدلانہ تعاون ہی سے ہوسکتا ہے، وہ تنہا حکومت کی مدد کی صورت میں اپنی ملت کی خصوصیت کی مکمل بقاء کے ساتھ نہیں ہوسکتا، اپنی ملی خصوصیت کی حفاظت کے ساتھ تعلیم چلانے کے لیے پرائیوٹ اداروں کا نظام ضروری ہوتا ہے، اور مسلمانوں کے لیے ایسے ملک میں جہاں وہ اقلیت میں ہیں، یہ مسئلہ زیادہ اہمیت کا بن جاتا ہے، کیونکہ حکومت کے سیکولر ہونے اور مسلمانوں کے اقلیت میں ہونے کے وجہ سے حکومت کا تعاون مسلمانوں کے ملی خصوصیات کے اداروں کو کم ہی حاصل ہوسکتا ہے، اس صورت میں خود اقلیت کو باہمت بننے کی ضرورت ہوتی ہے اور عزم و حوصلہ کے ساتھ اپنی ضرورت کے لیے خود اپنے پیروں پر کھڑا ہونا لازم ہوتا ہے، اس میں اگر حکومت سے تعاون ملتا ہو تو اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے لیکن اس احتیاط کے ساتھ کہ وہ تعلیم گاہ کے مقصد اور اس کی ملی خصوصیت کو متاثر نہ کرے بلکہ مسلمانوں کی علمی و فکری تشکیل کے ساتھ ان کی ملی خصوصیات کے پیدا کرنے کا ذریعہ ثابت ہو۔

ہندوستان میں مسلمانوں کے زیر انتظام عصری تعلیم کے جو ادارے ہیں ملک کے سیکولر ہونے کی بنا پر اقلیتوں کو جو حقوق دیے گئے ہیں، ان کی بنیاد یہ ادارے مسلم انتظام میں اور اپنی مرضی کے مطابق بڑی حد تک چلائے جاسکتے ہیں، اسی کے ساتھ ساتھ اگر حکومت سے مدد بھی ملتی یا مل سکتی ہے، تو یہ ایک بڑی سہولت ہے، جس سے مسلمانوں کو اپنے ملی تشخص کے ساتھ اپنے تعلیمی ادارے چلانے کا موقع ملتا ہے، لیکن اس کا انحصار مسلم انتظامیہ کے ارادہ اور صلاحیت پر ہے، کیونکہ ادارہ کی پالیسی کا تعین اور پھر اس پالیسی کا تحفظ نیز اس کے کاموں میں چستی اور مقصد کے مطابق کارکردگی، یہ سب ادارہ کے انتظامیہ کی توجہ وفکر مندی منحصر ہوتا ہے، اس طور پر پہلی ذمہ داری انتظامیہ پر آتی ہے لیکن انتظامیہ کی توجہ وفکر مندی کا کا اصل فائدہ اس وقت ہوتا ہے جب انتظامیہ کے حضرات تعلیمی اداروں کی مشکلات اور ان کی ضرورتوں کا پورا علم رکھتے ہوں اور اپنی ملت کی علمی ضرورت اور ملی تشخص کی اہمیت سے پوری طرح آگاہ ہوں تاکہ اس کے مطابق وہ توجہ اور فکرمندی عمل میں لائیں اور وہ اس امر کا جواب دے سکتے ہوں کہ ان کے ملک بلکہ شہر میں دیگر متعدد اداروں کے ہوتے ہوئے مزید اس ادارہ کی ضرورت کیا ہے؟ آیا صرف تعداد میں اضافہ کرنے کے لیے یا ایک اپنے ایک جدا رنگ وخصوصیت کے ساتھ ادارہ کو چلانے کے لیے، اور اگر جدا رنگ وخصوصیت کا ادارہ قائم کرنا ہے تو یہ کیوں اور کس مقصد سے قائم کرنا ہے؟

مسلمان انتظامیہ اس سیکولر ملک میں جب کوئی ادارہ قائم کرتی یا چلاتی ہے تو ظاہر ہے کہ وہ اداروں کی تعداد میں صرف مزید اضافہ کے لیے نہیں ہوتا، بلکہ وہ اپنی ملت کے مقصد حیات یا اپنے کلچر یا اپنی زبان کے تحفظ کے لیے قائم کرتی ہے اور علم وفن کے میدان میں اپنی امت کے فرزندوں کو نمایاں مقام تک پہنچانے کے لیے یہ قدم اٹھاتی ہے، مسلمان انتظامیہ کو اولاً یہ بات سمجھنا ضروری ہے، پھر اس کے تقاضوں کے مطابق فکر وتوجہ سے کام لینا ہے۔

لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ مسلمانوں کے اداروں کو جب حکومت سے مدد ملتی ہے تو ان کے نصاب ونظام پر کچھ ضوابط بھی حکومت کی طرف سے عائد کیے جاتے ہیں، جو ادارہ کے مسلمان انتظامیہ کو پورا کرنا ہوتے ہیں، ان ضوابط کے دائرہ سے باہر دیگر متعدد پہلوؤں میں ادارہ کو مسلم انتظامیہ کی مرضی کے مطابق چلانے کا اختیار حاصل ہوتا ہے، ان کو مرضی کے مطابق عمل کرنے کا یہ اختیار ملک کے سیکولر دستوری رو سے حاصل ہوتا ہے، ان تعلیم گاہوں کا یہی وہ پہلو ہے جس کے رو سے مسلم انتظامیہ کو اپنے ملی ومذہبی تشخص کے ساتھ تعلیمی نظام کا بندوبست کرنے کی سہولت حاصل ہوتی ہے اور مسلمان طلبہ کو اپنی خصوصیات کو برقرار رکھنے اور مضبوط بنانے کا موقع حاصل ہوجاتا ہے اور یہ بات چونکہ ان تعلیم گاہوں کو مسلم انتظامیہ کے توسط سے حاصل ہوتی ہے، اس لیے ادارہ کو مفید طریقہ سے چلانے کی ذمہ داری اصلاً مسلم انتظامیہ پر جاتی ہے، اگر مسلم انتظامیہ اپنے اس حق کو فکر وتوجہ سے استعمال نہ کرے تو پھر مسلم انتظامیہ کے ہونے یا نہ ہونے میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا، اور جہاں تک مشکلات کا تعلق ہے تو اس سیکولر ملک میں مسلم انتظامیہ کے تحت جو ادارے چل رہے ہیں، ان کے دو امور زیادہ قابل فکر ہیں:

ایک تو یہ کہ انتظامیہ کے افراد میں یک جہتی اور تعلیم کے بڑے مقصد کے لیے اپنی شخصی رائے اور خیال کو آپس میں متحد رکھ کر چلانا کبھی کبھی خاصا مشکل بن جاتا ہے، اور انتظامیہ کے ارکان کی رائے کا اختلاف بعض بعض وقت لافانی اختلاف بن جاتا ہے، اس اختلاف کی وجہ سے ادارہ کے بنیادی مصالح کو بڑا ضرر پہنچتا ہے اور ادارہ کمزور ہو کر مکمل کامیابی سے دور ہو جاتا ہے۔

دوسرا قابل یہ ذکر مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ نظام تعلیم میں ملت کے مزاج اور اس کی ملی مصلحت کا لحاظ خاطر خواہ طریقے سے نہیں ہوتا، اس کمی کا اثر یہ ہوتا ہے کہ نوجوان طلبہ کی تشکیل اسلامی ملت کے عین مقصد ومزاج کے مطابق نہیں ہو پاتی۔

بہرحال مسلم انتظامیہ والے اداروں کی کچھ دشواریاں تو انتظامیہ کی بعض کمزوریوں اور بے توجہیوں سے پیدا ہوتی ہیں، اور کچھ کمزوریاں وسائل کی کمی کی بنیاد پر ہوتی ہیں، ان میں ایک دشواری جو اہم دشواری بھی ہے، ادارہ کی ضرورت مطابق مالی فراہمی کا نہ ہونا ہے، وہ پرائیوٹ اور اقلیتی ادارہ ہونے کی وجہ سے حکومت سے اتنی مدد کے حق دار نہیں ہو پاتے جتنی ان کے اپنے مطلوبہ منصوبوں کو بخوبی چلانے کے لیے کافی ہو، چنانچہ اس مسئلہ کے حل کے لیے ان کو لامحالہ اپنی ملت کے اہل ثروت افراد کی طرف دیکھنا پڑتا ہے، اور یہ اہل ثروت افراد مسلمانوں کی ضرورت کی اہمیت کو اس طرح نہیں محسوس کر پاتے جس طرح ایک زندہ اور متحرک قوم کی ضرورتوں کو محسوس کرنا چاہیے، اس کمی کی وجہ سے ادارہ کی ترقی میں رکاوٹ پیدا ہوجاتی ہے، لہٰذا اس کے لیے ان حضرات کی ہمدردی حاصل کرنے کی طرف توجہ مبذول کرنے کی ضرورت ہے، اس کے لیے ان اداروں کے ذمہ داروں کو اپنی صلاحیتوں اور عملی کوششوں سے ملت کی اس ضرورت کی طرف جوان اداروں ہی سے پوری ہوسکتی ہے، رابطہ بڑھنا چاہیے اور ان کے دل ودماغ کو اس ضرورت کے پورا کرنے کی طرف مائل کرنا چاہیے، ملت میں الحمدللہ ایسے اصحاب ثروت ہیں جو اس اہم ملی ضرورت کو پورا کرسکتے ہیں، ضرورت ہے کہ ملت کے بااثر افراد میں اس بات کا احساس بڑھے، اور وہ اپنی صلاحیتوں سے پورا پورا کام لیں اور اس فائدہ کو سمجھیں جو ان کی توجہ سے مسلم ملت کو پہنچ سکتا ہے۔

دوسرا پہلو جوان اداروں کا قابل توجہ ہے، وہ تعلیمی وتدریسی نظام ہے، جس کے ذریعہ اساتذہ کو اپنے فرائض منصبی زیادہ سے زیادہ یاد دلانا اور اس پر ان کو عامل بنانا ہے تاکہ وہ طلبہ کو علم کے حصول میں یکسو ہوکر مشغول ہونے کی طرف توجہ کریں اور ان میں جذبہ پیدا کریں خاص طور پر اس لیے کہ بھی کہ اقلیت کے افراد کو زندگی کی دوڑ کے لیے زیادہ محنت توجہ اور کام میں یکسوئی کی ضرورت ہوتی ہے۔

تیسرا پہلو نصاب تعلیم کا ہے، جو نصاب تعلیم ہماری ان تعلیم گاہوں کو انگریزوں کے زمانے سے ورثہ میں ملا ہے، وہ ابھی تک انگریزوں کے اختیار کردہ مقاصد کے دائرہ سے آزاد نہیں ہوسکا ہے، اس میں جو نظام تعلیم اختیار کیا جاتا ہے وہ نوجوان طالب علم کو عموماً ایک اچھا کلرک یا آفیسر یا مادی زندگی کے حصول ہی کی حد تک فائدہ پہونچانے کا کام دیتا ہے، ان نوجوانوں کو ملت کی صحیح فکر وثقافت سے وابستہ اور ملت کی رہنمائی کی اصلی صلاحیت کا حامل اور ملت کے ملی تشخص وخصوصیت کا محافظ نہیں بناتا، سوائے چند ایسے افراد کے جو اپنے گھروں سے اپنی اعلیٰ قدروں کی تربیت حاصل کرکے ان اداروں میں آتے ہیں، وہ تو اپنی اخلاقی وثقافتی خصوصیات کو قائم رکھتے ہیں، اور پھر اس سے مستقبل میں ملت کو فائدہ پہنچاتے ہیں لیکن یہ تعلیم گاہیں اپنے نصاب سے ایسے اعلیٰ افراد پیدا نہیں کرپاتی ہیں جو علم وعمل میں ممتاز خصوصیات کے حامل ہوں، ان تعلیم گاہوں کے نصاب کا، خاص طور پر وہ حصہ جو زبان وادب اور سماجی علوم سے تعلق رکھتا ہے، ان خصوصیات سے عملاً خالی ہوتا ہے، جن کی ضرورت ایک مسلمان نوجوان کو اپنی ملت کی خصوصیت اور ضرورت کے مطابق اپنی شخصیت کی تشکیل کے لیے ہوتی ہے، اس نقص کی درستگی کے لیے نصاب تعلیم کو خاص طور پر ادب وزبان اور سماجی اور انسانی علوم کو نئے سرے سے ڈھالنے اور ان کے مطابق کتابیں تیار کرنے کی ضرورت ہے، اور جب تک اس ضرورت کا نصاب تیار نہ ہوسکے اس وقت تک اہل نظر حضرات جاری شدہ نصاب کا مبصرانہ جائزہ لے کر ملت کی قدروں اور عقیدہ سے جوڑ نہ کھانے والی چیزوں کو نظر میں لائیں اور نوجوان طلبہ کو اس سے واقف کرائیں تاکہ وہ کسی ناآہنگ بات سے بدگمان نہ کیے جاسکیں، اور اس کے ضرر سے بچ سکیں، اس کام کے لیے صاحب بصیرت اور صاحب واقفیت جو صحیح اسلامی شعور سے خالی نہ ہوں، ان کی توجہ ضرورت ہے۔

ہماری تعلیم گاہوں کو وقت کی رفتار اور علوم کے بڑھتے ہوئے قافلہ پر بھی پوری نظر رکھنے کی ضرورت ہے، علم برابر ترقی اور توسع کی راہ پر چل رہا ہے، اور وہ اس وقت انسان کی ہر طرح کی ترقی کا ذریعہ بن گیا ہے، ضرورت ہے کہ ہمارے ادارے نئی حاصل ہونے والی دریافتوں اور نئے پیدا ہونے والے اور ترقی کرنے والے علوم پر برابر نظر رکھیں تاکہ ہم ان کے سلسلہ میں پیچھے نہ رہ جائیں، اس کے لیے امت میں ایک روح بیدار کرنی ہوگی اور اہل قدرت افراد کو ان ضرورتوں کو پورا کرنے میں تعاون کرنے کی طرف متوجہ کرنا ہوگا۔

☆☆☆☆☆

عظیم الشان پیش کش

ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء

از امام محدث شاہ ولی اللہ دہلویؒ

ازالۃ الخفاء کا مقام ومرتبہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں، یہ خلافت راشدہ اور خلفائے راشدین کے موضوع پر شاہکار کا درجہ رکھتی ہے، فارسی زبان میں ہونے کی وجہ سے اس کی شہرت اور افادیت کا دائرہ عالم عربی کے حدود تک وسیع نہ ہوسکا، جب کہ علمائے ہند کی بڑی آرزو تھی کہ اس کو عربی کے قالب میں ڈھال کر طباعت سے آراستہ کیا جائے، مقام مسرت ہے کہ بانی ومرپرست جامعہ اسلامیہ مظفر پور، اعظم گڈھ مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی کی سرپرستی میں کتاب کی تعریب، تحقیق، تخریج کا عظیم عمل پایہ تکمیل کو پہنچا، اور علمائے ہند کا ایک خواب اور آرزو شرمندہ تعبیر ہوا۔

اس پر ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اور جنرل سکریٹری رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ ڈاکٹر عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی کے مقدمات ہیں۔

مناسب اور رعایتی قیمت پر اس کے حصول کے لیے مندرجہ ذیل پتہ پر رجوع کیا جاسکتا ہے:

☆ **مرکز الشیخ أبی الحسن الندوی**

جامعہ اسلامیہ مظفر پور، اعظم گڈھ، یو پی

☆ **نعیمیہ بک ڈپو، دیوبند، یوپی**

برائے رابطہ: 9450876465,9044205786

اخوت اسلامی

اتحاد اسلامی اور مسلمان

مولانا ابوالکلام آزادؒ

قرآن حکیم نے توحید الٰہی کے داعی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کو سراج منیر سے ملقب کیا اور ان کے خصائص کریمہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿اِنَّا اَرۡسَلۡنٰکَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیۡرًا وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذۡنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِیۡرًا﴾ [۳۳/۴۶،۴۷] یعنی اے پیغمبر! بیشک ہم نے تم کو شہادت دینے والا، بشارت پہونچانے والا، ضلالت وخباثت سے خوف دلانے والا راہ الٰہی کی طرف داعی اور ایک نورانی مشعل بنا کر بھیجا۔

لیکن ایک دوسرے موقع پر آفتاب کو بھی سراج کے لقب سے یاد کیا ہے: ﴿وَجَعَلَ الۡقَمَرَ فِیۡهِنَّ نُوۡرًا وَّجَعَلَ الشَّمۡسَ سِرَاجًا﴾ [نوح/۱۶،۱۷] اور آسمان میں خدا نے چاند کو بھی بنایا جو ایک نور ہے اور سورج کو بھی بنایا کہ وہ ایک روشن مشعل ہے اس مماثلت اور اشتراک تشبیہ سے مقصود یہ تھا کہ اسلام کی دعوت بھی اس آفتاب مادی کی طرح ایک آفتاب روحانی ہے۔ جب آفتاب نکلتا ہے تو اس کی روشنی اور حرارت میں کوئی تمیز نزدیک ودور، اعلیٰ وادنیٰ، سیاہ وسفید، باغ ودشت کی نہیں ہوتی۔ اس کی روشنی بلا تمیز مکان ومقام ہر شے پر چمکتی اور حرارت پذیر وجود کو گرم کرتی ہے، بعینہ یہی حال اس آفتاب دعوت الٰہی اور نیر درخشاں سمائے رسالت کی عموم فیضان بخشی کا تھا جو کو سعیر سے چلا، مگر فاران کی چوٹیوں پر نمودار ہوا جس کی کرنوں میں داہنی جانب شریعت الٰہی کا نور مبین تھا مگر بائیں جانب قیام عدل میزان کی شمشیر آبدار چمک رہی تھی۔ جس کا طلوع کائنات میں ظلمت کی شکست اور روشنی کی دائمی فیروز مندی تھا کیونکہ آسمان ہدایت پر شریعت الٰہی کے گو سینکڑوں ستارے نمودار ہوئے تھے لیکن تاریکی کی آخری شکست کے لئے دنیا کو آفتاب ہی کے طلوع کا انتظار ہوتا ہے ﴿وَالَّیۡلِ اِذَا یَغۡشٰی وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰی وَمَا خَلَقَ الذَّکَرَ وَالۡاُنۡثٰی﴾ [اللیل/۱-۳] (رات کی قسم جب کہ اس

> **تاریخ کی نظریں جس وقت دجلہ وفرات کے کنارے پیروان اسلام کے نقش قدم گن رہی تھیں ، عین اسی وقت گنگا اور جمنا کے کنارے سیکڑوں ھاتھ خدائے واحد کے آگے سر بسجود ہونے کے لیے وضو کر رہے تھے ، یہ تمام دنیا کی مختلف قومیں زمین کے دور دراز گوشوں پر بسنے والی آبادیاں گویا ایک ہی گھر کے عزیز تھے ، جن کو شیطان رجیم کی تفرقہ اندازیوں نے ایک دوسرے سے الگ کر دیا تھا، لیکن خدائے رحیم نے ان صدیوں کے بچھڑے ہوئے دلوں کو ایک دائمی صلح کے ذریعہ پھر ایک جگہ جمع کر دیا اور ان کے روٹھے ہوئے دلوں کو اس طرح ایک دوسرے سے منادیا کہ تمام پچھلے شکوے اور شکایتیں بھول کر ایک دوسرے کے بھائی اور شریک رنج وراحت ہوگئے ۔**

کی تاریکی کائنات کی تمام اشیاء کو چھپادیتی ہے، اور روز روشن کی قسم جب کہ آفتاب کی تجلی تمام کائنات کو روشن کردیتی ہے، اور دراصل اس خالق کی قسم جس نے تخلیق عالم کے لیے نر اور مادہ کا وسیلہ پیدا کیا)۔

اس آفتاب توحید نے طلوع ہوتے ہی تفریق وانشقاق کی تمام تاریکیوں کو مٹادیا، اس کی روشنی کی فیضان نے اسود وابیض اور عرب وعجم کی کوئی تمیز نہ رکھی۔ خدا کی ربوبیت کی طرح اس کی رحمت بھی عام تھی۔ وہ رب العالمین تھا، پس ضروری تھا کہ اس کی راہ کی طرف دعوت دینے والا بھی رحمۃ للعالمین ہو ﴿وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ﴾ [الانبیاء/۱۰۷] (اے پیغمبر! ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام عالموں کے لیے رحمت قرادے کر)۔

انسان کی یہ سب سے بڑی ضلالت اور خدا فراموشی تھی کہ اس نے رشتۂ خلقت کی وحدت کو بھلا کر زمین کے ٹکڑوں اور خاندان کی تفریقوں پر رشتے قائم کر لیے تھے۔ خدا کی زمین کو جو محبت اور باہمی اتحاد کے لیے تھی، قوموں کے باہمی اختلافات و نزاعات کا گھر بنادیا تھا۔ لیکن اسلام دنیا میں پہلی آواز ہے جس نے انسان کی بنائی ہوئی تفریقات پر نہیں بلکہ الٰہی تعبد کی وحدت پر ایک عالمگیر اخوت واتحاد کی دعوت دی اور کہا کہ ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقۡنٰکُمۡ مِّنۡ ذَکَرٍ وَّاُنۡثٰی وَجَعَلۡنٰکُمۡ شُعُوۡبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوۡا اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ اَتۡقٰکُمۡ﴾ [حجرات/۱۳] (اے لوگو! ہم نے دنیا میں تمہاری خلقت کا وسیلہ مرد اور عورت کا اتحاد رکھا اور نسلوں اور قبیلوں میں تقسیم کردیا، اس لئے کہ باہم پہچانے جاؤ ورنہ دراصل یہ تفریق اور انشعاب کوئی ذریعہ امتیاز ہیں اور امتیاز وشرف اسی کے لئے جو اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ متقی ہے)۔

پس درحقیقت اسلام کے نزدیک وطن ومقام اور رنگ وزبان کی تفریق کوئی چیز نہیں۔ رنگ اور زبان کی تفریق کو وہ ایک الٰہی نشان ضرور تسلیم کرتا ہے: ﴿وَمِنۡ اٰیٰتِهٖ خَلۡقُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافُ اَلۡسِنَتِکُمۡ وَاَلۡوَانِکُمۡ﴾ [روم/۲۲] اس کو وہ کسی انسانی تفریق وتقسیم کی حد نہیں قرار دیتا اور انسان کے تمام دنیوی رشتے خود انسان کے بنائے ہوئے ہیں۔ اصلی رشتہ صرف ایک ہے اور وہ وہی ہے جو انسان کو اس کے خالق اور پروردگار سے متصل کرتا ہے، وہ ایک ہے پس اس کے ماننے والوں کو بھی ایک ہی ہونا چاہئے اگرچہ سمندروں کے طوفانوں، پہاڑوں کی مرتفع چوٹیوں، زمین کے دور دراز گوشوں اور جنس ونسل کی تفریقوں نے ان کو باہم ایک دوسرے سے جدا کردیا ہو ﴿اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُکُمۡ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّکُمۡ فَاتَّقُوۡنِ﴾ [المومنون/۵۲] (بے شک تمہاری جماعت ایک ہی امت ہے اور ہم ایک ہی تمہارے پروردگار ہیں)۔

اے برادران ملت! یہی اسلام کی وہ عالمگیر اخوت اور دعوت اسلام کی وحدت تھی جس نے زمین کے دور دراز گوشوں کو ایک کردیا تھا۔ اسلام نے ریگستانِ حجاز میں ظہور کیا مگر صحرائے افریقہ میں اس کی پکار بلند ہوئی۔ اس کی دعوت کی صدا جبلِ بوقبیس کی گھاٹیوں سے اٹھی مگر دیوار چین سے صدائے "اشہدان لاالٰہ الا اللّٰہ" کی بازگشت گونجی۔ تاریخ کی نظریں جس وقت دجلہ وفرات کے کنارے پیروان اسلام کے نقشِ قدم گن رہی تھیں عین اسی وقت گنگا اور جمنا کے کنارے سیکڑوں ہاتھ خدائے واحد کے آگے سربجود ہونے کے لیے وضو کر رہے تھے، یہ تمام دنیا کی مختلف قومیں زمین کے دور دراز گوشوں پر بسنے والی آبادیاں گویا ایک ہی گھر کے عزیز تھے، جن کو شیطان رجیم کی تفرقہ اندازیوں نے ایک دوسرے سے الگ کردیا تھا، لیکن خدائے رحیم نے ان صدیوں کے بچھڑے ہوئے دلوں کو ایک دائمی صلح کے ذریعہ پھر ایک جگہ جمع کردیا۔ اور ان کے روٹھے ہوئے دلوں کو اس طرح ایک دوسرے سے منادیا کہ تمام پچھلے شکوے اور شکایتیں بھول کر ایک دوسرے کے بھائی اور شریک رنج وراحت ہوگئے۔ ﴿وَاذۡکُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَیۡکُمۡ اِذۡ کُنۡتُمۡ اَعۡدَآءً فَاَلَّفَ بَیۡنَ قُلُوۡبِکُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِهٖۤ اِخۡوَانًا﴾ [آل عمران: ۱۰۳] اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو تم پر نازل کی گئی، جب کہ تم اسلام سے پہلے ایک دوسرے کے دشمن تھے مگر اسلام نے تمہارے دلوں میں محبت والفت پیدا کردی اور تم دشمن کی جگہ ایک دوسرے کے بھائی بھائی ہوگئے۔

یہ برادری خدا کی قائم کی ہوئی برادری ہے، ہر انسان جس نے کلمہ "لاالٰہ الااللّٰہ" کا اقرار کیا، بمجرد اقرار کے اس برادری میں شامل ہوگیا، خواہ مصری ہو، خواہ نائجیریا کا وحشی ہو، خواہ قسطنطنیہ کا تعلیم یافتہ ترک، لیکن اگر وہ مسلم ہے تو اس خاندان توحید کا عضو ہے، جس کا گھرانا کسی خاص وطن اور مقام سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ تمام دنیا اس کا وطن اور تمام قومیں اس کی عزیز ہیں، دنیا کے تمام رشتے ٹوٹ سکتے ہیں مگر یہ رشتہ کبھی نہیں ٹوٹ سکتا۔ ممکن ہے کہ ایک باپ اپنے لڑکے سے روٹھ جائے، بعید نہیں کہ ایک ماں اپنی گود سے بچے کو الگ کردے، ہوسکتا ہے کہ ایک بھائی دوسرے بھائی کا دشمن ہوجائے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ دنیا کے تمام عہد مودت، خون اور نسل کے باندھے ہوئے پیمان وفا ومحبت ٹوٹ جائیں مگر جو رشتہ ایک چین کے مسلمان کو افریقہ کے مسلمان سے، ایک عرب کے بدو کو تاتار کے چرواہے سے اور ایک ہندوستان کے نومسلم کو مکہ معظمہ کے صحیح النسب قریش سے پیوست ویک جان کرتا ہے، دنیا میں کوئی طاقت نہیں ہے جو اسے توڑ سکے اور اس زنجیر کو کاٹ سکے، جس میں خدا کے ہاتھوں انسانوں کے دلوں کو ہمیشہ کے لئے جکڑ دیا ہے۔

پس اے عزیزان ملت !! اور اے بقیہ ماتم زدگان قافلۂ اسلام! اگر یہ سچ ہے کہ دنیا کے کسی گوشے میں پیروانِ اسلام کے سروں پر تلوار چمک رہی ہو تو تعجب ہے، اگر اس کا زخم ہم اپنے دلوں میں نہ دیکھیں۔ اگر اس آسمان کے نیچے کہیں بھی ایک مسلم پیرو توحید کی لاش تڑپ رہی ہے تو لعنت ہے ان سات کروڑ زندگیوں پر جن کے دلوں میں اس کی تڑپ نہ ہو۔ اگر مراکش میں ایک حامی وطن کے حلق بریدہ سے ایک خون کا فوارہ چھوٹ رہا ہے تو ہم کو کیا ہوگیا ہے کہ ہمارے منہ سے دل وجگر کے ٹکڑے نہیں گرتے، ایران میں اگر وہ گردنیں پھانسی کی رسیوں میں لٹک رہی ہیں جن سے آخری ساعت نزع میں "اشہد أن لاالٰہ الااللّٰہ" کی آواز نکل رہی تھی، تو ہم پر اللہ اور اس کے ملائکہ کی پھٹکار ہو، اگر اپنی گردنوں پر اس کے نشان محسوس نہ کریں۔ اگر آج بلقان کے میدانوں میں حافظینِ کلمۂ توحید کے سر اور سینے صلیب پرستوں کی گولیوں سے چھد رہے ہیں، تو ہم اللہ اور اس کے ملائکہ اور اس کے رسولؐ کے آگے ملعون ہوں۔ اگر اپنے پہلوؤں کے اندر ایک لمحہ کے لئے بھی راحت اور سکون محسوس کریں، میں کہہ رہا ہوں حالانکہ اسلام کی روح کا ایک ذرہ بھی اس کے پیروؤں میں باقی ہے تو مجھ کو کہنا چاہئے کہ اگر میدان جنگ میں کسی ترک کے تلوے میں ایک کانٹا چبھ جائے تو قسم ہے خدائے اسلام کی کہ کوئی ہندوستان کا مسلمان مسلمان نہیں ہوسکتا، جب تک وہ اس کی چبھن کو تلوے کی جگہ اپنے دل میں محسوس نہ کرے، کیونکہ ملت اسلام ایک جسم واحد ہے اور مسلمان خواہ کہیں ہوں اس کے اعضاء وجوارح ہیں۔ اگر ہاتھ کی

انگلی میں کانٹا چبھے تو جب تک باقی اعضاء کٹ کرالگ نہ ہوگئے ہوں ممکن نہیں کہ اس صدمے سے بخیر رہیں اور یہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں محض اظہار مطلب کا زور بیان ہی نہیں ہے۔

بلکہ عین ترجمہ ہے اس حدیث مشہور کا جس کو امام احمد و مسلم نے نعمان بن بشیرؓ سے روایت کیا ہے کہ جناب رسول کریمؐ نے فرمایا ہے: "مثل المومنین فی توادھم وتراحمھم وتعاطفھم مثل الجسد اذا اشتکیٰ عضو تداعی لہ سائر الجسد بالسھر والحمی" [مسلم: باب کتاب البر، بخاری: کتاب الادب] مسلمانوں کی مثال باہمی مودت و رحمت اور محبت و ہمدردی میں ایسی ہے جیسے ایک جسم واحد کی، اگر اس کے ایک عضو میں کوئی شکایت پید ہوتی ہے تو سارا جسم اس کی تکلیف میں شریک ہوجاتا ہے۔ اور اس کے ہم معنی صحیحین کی وہ حدیث ہے جس کو ابوموسیٰؓ نے روایت کیا ہے: "المؤمن للمؤمن کالبنیان یشد بعضہ بعضاً" [بخاری: کتاب الصلوٰۃ: کتاب الادب، کتاب المظالم، مسلم: کتاب البر] ایک مومن دوسرے مومن کے لئے ایسا جیسے کسی دیوار کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کو سہارا دیتی ہے۔ اور فی الحقیقت یہ خصائص مسلم میں سے ایک اولین اور اشرف ترین خصوصیت ہے۔ جس کی طرف قرآن شریف نے اپنے جامع اور مانع الفاظ میں اشارہ کیا ہے ﴿اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ﴾ [الفتح/۲۹] کافروں کے لیے نہایت سخت مگر آپس میں نہایت رحیم اور ہمدرد ہیں، ان میں جس قدر سختی ہے باطل اور کفر کے لئے اور ان کی جس قدر محبت والفت ہے حق وصدق اور اسلام و توحید کے لیے۔ فاعتبروا یا أیھا المسلمون.

☆☆☆☆☆

مغرب میں تیزی سے اسلام کا پھیلتا دائرہ

ایک لاکھ برطانوی مشرف بہ اسلام

مغربی ممالک میں غیر مسلموں کے اسلام قبول کرنے میں تیزی سے اضافہ دیکھنے میں آرہا ہے، برطانیہ میں ایک لاکھ افراد اسلام قبول کرچکے ہیں جب کہ سالانہ ۵۲۰۰ برطانوی حلقہ اسلام میں داخل ہورہے ہیں، برطانوی جریدہ "اکنامسٹ" نے کتنے افراد اسلام قبول کرچکے؟ کے عنوان سے ایک سوال اٹھایا ہے، جریدہ لکھتا ہے کہ اسلام قبول کرنے والوں میں زیادہ تر ان لوگوں کی اکثریت ہے جو کئی برسوں سے مسلمانوں کے ساتھ رابطے میں ہیں، برطانیہ میں خواتین کی دو تہائی اکثریت نے اس لیے اسلام قبول کیا کہ وہ کسی مسلمان سے شادی کرنا چاہتی تھی، دیگر لوگ اس لیے اسلام کی طرف مائل ہورہے ہیں کہ وہ برطانوی معاشرے میں پھیلی بے راہ روی اور فحاشی سے تنگ آچکے ہیں جبکہ بہت سے کمیونٹی کے احساس کے حصول کی بات کرتے ہیں، جریدے کے مطابق اسلام قبول کرنے میں جیلیں مؤثر جگہ ثابت ہورہی ہیں جب کہ اس صورت حال سے مغربی حلقے تشویش کا شکار ہیں کہ جیل میں اسلام قبول کرنے والے زیادہ بنیاد پرست ہیں، تاہم مسلمانوں سے متاثر حلقے کا موقف ہے کہ اسلام کا نظم وضبط اور ساخت انہیں ذاتی زندگی کے مسائل سے نمٹنے میں مدد کرتا ہے، انگلینڈ اور ویلز میں مردم شماری کے دوران شہریوں سے ان کے ماضی کے مذہب کے بارے میں سوال نہیں کیا جاتا اور برطانوی مساجد بھی نومسلم کا کوئی ریکارڈ مرتب نہیں کرتیں، کچھ نومسلم اپنے خاندان اور دوستوں کے ردعمل کی وجہ سے تبدیلی مذہب کو خفیہ رکھتے ہیں، تاہم یونیورسٹی آف ویلز کے محقق کیون برائس کے مطابق ہر سال ۵۲۰۰ برطانوی اسلام قبول کررہے ہیں اور اب تک ایک لاکھ برطانوی اسلام قبول کرچکے ہیں۔

امریکہ میں بھی مردم شماری میں مذہب کے بارے میں سوال نہیں کیا جاتا جبکہ بہت کم مساجد ایسا ریکارڈ مرتب کرتی ہیں، امریکہ میں مسلمانوں کی مجموعی تعداد کے متعلق کوئی ٹھوس اعداد وشمار نہیں۔

۲۰۰۷ء کی پیوریسرچ کے مطابق ۲۴ لاکھ امریکی مسلمان ہیں جبکہ ۲۰۰۰ء میں امریکی صدر بل کلنٹن کا کہنا تھا کہ ۶۰ لاکھ امریکی مسلمان ہیں، پیوریسرچ کے مطابق امریکی مسلمانوں میں سے ایک چوتھائی نومسلم ہیں، کچھ عرصہ قبل برطانوی میگزین نیو اسٹیٹسمین نے اپنی رپورٹ میں لکھا کہ نائن الیون کے بعد ۲۰۰۱ء سے ۲۰۱۱ء کے درمیان ایک لاکھ برطانوی شہری حلقہ اسلام میں داخل ہوئے، اس سے قبل ایک اور جریدے کی رپورٹ میں کہا گیا تھا کہ ۹/۱۱ کے بعد امریکہ میں سالانہ ۳۰ ہزار افراد اسلام قبول کررہے ہیں، جب کہ اسلام قبول کرنے والے برطانوی شہریوں میں ۷۵ فیصد خواتین ہیں، "اکنامسٹ" لکھتا ہے کہ برطانوی فوجی کی بیٹی سامنتھا نوعمری میں ہی اسلام قبول کرچکی تھی۔

☆☆☆☆☆

سچی باتیں

افضل سمجھنا بے بنیاد ہے

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی

اپنے آپ کو دوسرے سے افضل سمجھنا بالکل بے بنیاد ہے، کیا معلوم کہ آخر میں جاکر کیا انجام ہوتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے یہاں کون مقرب ہے اور کون مقرب نہیں ہے، نہ وہاں علم کی بڑائی کام آئے گی، نہ عمر کی بڑائی کام آئیگی، نہ وہاں مال و دولت کی کثرت کام آئے گی، نہ اس کی گارنٹی ہے کہ جس کے پاس علم زیادہ ہے وہ ضرور افضل ہوگا، جبکہ حدیث شریف میں ہے کہ سب سے پہلے جہنم جس کے ذریعہ سلگائی جائے گی وہ ایک عالم ہوگا لہٰذا صرف علم کے بھروسے پر یا اس بنا پر کہ لوگ دنیا میں میرے ہاتھ چومتے ہیں، یا مجھے بڑا سمجھتے ہیں، یا علامہ سمجھتے ہیں، میں افضل ہوں، یاد رکھئے! اس پر کوئی بھروسہ نہیں ہے، جب حساب کتاب کا منظر سامنے ہوگا تو بڑے بڑے علامہ دھرے رہ جائیں گے، لہٰذا علم کی وجہ سے اپنے آپ کو دوسرے سے کیا افضل سمجھے، اسی طرح مال کی وجہ سے اپنے آپ کو دوسرے سے کیا افضل سمجھے، جبکہ قیامت کے دن بڑے بڑے مالدار جہنم کا ایندھن بنیں گے، لہٰذا جب کسی بات کا بھروسہ نہیں تو پھر کس بنیاد پر آدمی اپنے آپ کو دوسرے سے افضل سمجھے۔

ایک بزرگ کا واقعہ

ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ ایک آدمی نے ان سے یہ کہہ دیا کہ تم تو میرے کتے سے بدتر ہو، ان بزرگ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ بات در اصل یہ ہے کہ ابھی میرا کچھ پتہ نہیں کہ میں کتے سے بدتر ہوں یا نہیں، جب اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوگی اور وہاں پر میں حساب کتاب کے مرحلے کو پار کرگیا تو میں قسم کھاکر کہتا ہوں کہ میں کتے سے افضل ہوں، اور اگر میں وہاں حساب کتاب کے مرحلے سے نہ گزر پایا اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کا مستحق ہوگیا پھر بیشک تم ٹھیک کہتے ہو کہ میں کتے سے بدتر ہوں، اس لیے کہ کم از کم اس کتے کو حساب کتاب نہیں دینا پڑے گا اور اس کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کا سامنا نہیں ہوگا۔

یہ خیال دل سے نکال دو

یہ ہیں حقیقی معنی میں اللہ والے، دوسرا شخص گالی دے رہا ہے، لیکن یہ اپنے حقائق اور معارف میں گم ہیں، اور اپنی حقیقت حال کو دیکھ رہے ہیں کہ میری حقیقت تو یہ ہے، لہٰذا دماغ سے افضل ہونے کا خیال نکال دو، نفس سے کہے کہ تمہیں کیا معلوم کہ خدا تعالیٰ کے یہاں کون اچھا ہے، ممکن ہے کہ اس کا باطن اچھا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ میں خدا تعالیٰ کے نزدیک بڑا ذلیل وخوار ہوں، اور خدا تعالیٰ نے تجھ کو دوچار حرف ظاہری سکھادیے ہیں، اس لیے تو بڑائی کرتا ہے، اگر وہ چاہے تو آج چھین لے، کس چیز پر تو اکڑتا ہے اور اتراتا ہے؟ کیا یہ علم تجھے ماں کے پیٹ سے حاصل ہوگیا تھا؟ کسی نے اپنے فضل وکرم سے عطا فرمادیا، اور جس نے عطا فرمایا ہے وہ جب چاہے سلب کرلے، جب چاہے واپس لے لے، کیا تو مال پر اکڑتا ہے، کیا یہ مال تجھے ماں کے پیٹ سے ملا تھا؟ کسی دینے والے نے مال دیا ہے، اور جس نے دیا ہے وہ جب چاہے واپس لے لے، کیا تو صحت پر اکڑتا ہے؟ بڑے بڑے تندرست اور توانا لوگ ایسے گزر رہے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان سے صحت واپس لی تو وہ بتاشے کی طرح پچک گئے۔

سبق آموز واقعہ

ہمارے ایک عزیز تھے، جن کا ابھی ایک دو سال پہلے انتقال ہوا، ان کے بارے میں سارے دیوبند میں یہ بات مشہور تھی کہ وہ برف کی کلی کو مکا مار کر توڑ دیتے تھے، اتنے طاقت ور تھے، انہوں نے کبھی زندگی میں تربوز کو چاقو سے نہیں کاٹا، بس مکا مارا اور توڑ دیا، اور اس کے ساتھ ساتھ بڑے عابد و زاہد آدمی تھے، بعد میں لاہور میں مقیم ہوگئے تھے، چار پانچ سال پہلے لاہور میں ان سے ملاقات کے لیے گیا تو دیکھا کہ کھانا کھانے کے لیے ہاتھ منہ تک نہیں اٹھ رہا تھا، دوسرے لوگ کھانا کھلا رہے تھے، جب میں ان کے پاس پہنچا تو مجھے دیکھ کر رو پڑے، اور کہنے لگے کہ یہ وہی "حامد" ہے، جو برف کی کلی مکے سے توڑ دیا کرتا تھا، اور اب یہ حال ہے کہ خود اپنے ہاتھ سے کھانا نہیں کھا سکتا۔

تم کس بات پہ اتراتے ہو؟

ارے تم کس بات پہ اتراتے ہو؟ صحت پر اتراتے ہو؟ قوت پر اتراتے ہو؟ کیا مال پر اتراتے ہو؟ کیا علم پر اتراتے ہو؟ ارے ان میں سے کوئی چیز ایسی ہے جس کی ہمیشہ تمہارے پاس رہنے کی گارنٹی ہو؟ بلکہ کسی دینے والے نے دی ہے، وہ جب چاہے واپس لے لے، اس لیے یہ دو چار حرف اس نے سکھادیے ہیں، وہ اگر آج چھین لے تو تم کیا کرلوگے؟ بس اس کا استحضار اور تکرار کیا جائے جب کبھی دل میں بڑائی کا خیال آئے، بس اس کا دھیان کرلے کہ کسی دینے والے نے یہ وصف اپنے فضل سے دیا ہے، اپنے انعام سے دیا ہے، تیرا کوئی استحقاق نہیں تھا، کتنے لوگ ہم میں

ایسے ہیں جو جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں، اور جس طرح دیا ہے وہ اسی طرح واپس بھی لے سکتا ہے، لہٰذا تیرے لیے اترانے اور اکڑنے کا اور دوسروں پر بڑائی جتلانے کا اور اپنے آپ کو افضل سمجھنے کا کوئی موقع نہیں، ہاں شکر کا موقع ہے کہ اے اللہ! آپ نے اپنے فضل وکرم سے مجھے یہ نعمت عطا فرمائی، میں اس کا مستحق نہیں تھا، اور میرے قبضۂ قدرت میں نہیں تھا، آپ نے اپنے فضل وکرم سے مجھے عطا فرمائی، اے اللہ! آپ کا شکر ہے: "اللّٰھم لک الحمد ولک الشکر"۔

'شکر' بے شمار بیماریوں کا علاج

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ یہ شکر ایسی چیز ہے کہ یہ بے شمار روحانی بیماریوں کا علاج ہے، جو آدمی شکر کرے گا، وہ کبھی تکبر میں مبتلا نہیں ہوگا، ان شاء اللہ۔ اس لیے کہ شکر کے معنی کیا ہیں؟ شکر کے معنی یہ ہیں کہ یہ نعمت جو مجھے ملی ہوئی ہے، میں اس کے لائق نہیں تھا، میں اس کا مستحق نہیں تھا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے دی ہے، اس کا شکر واحسان ہے۔

اپنے فرض کی ادائیگی شکر کا موقع نہیں

شکر کب کیا جاتا ہے؟ اگر کوئی شخص اپنا فریضہ ادا کرے یا قرضہ ادا کرے، تو کیا قرض خواہ کے ذمہ شکر ادا کرنا واجب ہے؟ مثلاً ایک آدمی مجھ سے ایک ہزار روپے قرض لے گیا، اور یہ کہا کہ دو مہینے بعد واپس کروں گا، یہ احسان تو میں نے کیا کہ میں نے ایک ہزار روپے بطور قرض دیے، اس کو چاہیے کہ میرا شکریہ ادا کرے، پھر جب دو ماہ بعد وہ ایک ہزار روپے مجھے واپس کردے گا، تب بھی احسان دینے والے کا رہا کہ اس نے ایک ہزار روپے دیے تھے اور دو ماہ تک اس ہزار روپے سے اپنے آپ کو محروم رکھا، لہٰذا وہ قرض دار جب واپس لا کر دیا ہے تو وہ کوئی احسان نہیں کر رہا ہے، لہٰذا شکریہ کا مستحق نہیں سمجھا جائے گا۔

شکر کا موقع یہ ہے

شکریہ اس وقت ادا کیا جاتا ہے جب آدمی اپنے فریضہ سے زیادہ کام کرے، مثلاً ایک ہزار روپے دوسرے کے ذمے واجب تھے، واپس کرتے وقت اس نے ایک ہزار کے بجائے بارہ سو روپے اپنی طرف سے خوش دلی کے ساتھ واپس کردیے، چونکہ اس نے زیادہ دے کر احسان کیا، لہٰذا اس کا شکریہ واجب ہے، جب انسان اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذمے یہ کام ضروری اور واجب نہیں تھا، اور میں اس کا مستحق تو نہیں تھا لیکن اللہ جل جلالہ نے محض اپنے فضل وکرم سے مجھے یہ نعمت عطا فرمائی، لہٰذا شکر کے اندر خود یہ اعتراف پنہاں ہے کہ میں اس کے لائق نہیں تھا، اور جو شخص لائق نہ ہونے کا اعتراف کرے کیا وہ تکبر میں مبتلا ہوسکتا ہے؟ اس لیے جب بھی اللہ تعالیٰ کی کوئی نعمت ملے، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، ان شاء اللہ تکبر کی جڑ کٹتی جائے گی۔

شیطان کے داؤ سے بچنے کا کارگر طریقہ

ہمارے حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب شیطان راندۂ درگاہ ہوگیا اور اس نے اللہ تعالیٰ سے کہا: "ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ"۔ [سورۃ الاعراف، آیت/۱۶]

چونکہ ابن آدم نے مجھے تباہ کیا ہے، اس لیے اس کا بدلہ لینے کے لیے اس سے پاس دائیں سے آؤں گا، بائیں طرف سے آؤں گا، آگے سے آؤں گا، پیچھے سے آؤں گا، اور ابن آدم کو گمراہ کردوں گا، (آخر میں کہتا ہے کہ) آپ ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہیں پائیں گے۔ ہمارے حضرت والا فرماتے تھے کہ شیطان چونکہ بڑا خرانٹ ہے، اس کو یہ معلوم ہے کہ جو آدمی شکر کرنے والا ہوگا، اس کے سامنے میری نہیں چلے گی، اس پر میرا داؤ نہیں چلے گا، اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والا ہو، اس پر شیطان کا داؤ نہیں چلتا۔

عین پریشانی میں اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو

لہٰذا اللہ تعالیٰ کی جو نعمت حاصل ہو، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، اور ایک وقت میں صرف ایک نعمت نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بارش برس رہی ہے: "وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا"۔ [سورۃ ابراہیم، آیت/۳۴)

اگر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو گے تو شمار نہیں کرو گے، انسان چونکہ ناشکرا ہے، اس لیے اگر ذرا سی کوئی تکلیف پہنچ جاتی ہے یا پریشانی آجاتی ہے تو اس کو ہر وقت گاتا رہتا ہے، اور عین اس تکلیف اور پریشانی کے وقت میں اللہ تعالیٰ کی جو نعمتیں متوجہ اور مبذول ہیں، ان کا کوئی ذکر نہیں، ان کی طرف ذرا سا دھیان نہیں، ورنہ عین تکلیف اور پریشانی کے وقت بھی اللہ تعالیٰ کی اتنی نعمتیں ہماری طرف متوجہ ہوتی ہیں کہ ہم ان کا شمار نہیں کرسکتے۔

'شکر' کا ایک انوکھا انداز

ہمارے ڈاکٹر صاحبؒ کے ایک نانا تھے، حضرت والا کی تربیت میں ان کو بھی بڑا دخل رہا ہے، بڑے فاضل اور بزرگوں کے صحبت یافتہ تھے، حضرت فرمایا کرتے تھے کہ میں بچپن میں رات کو سونے کے وقت ان کو دیکھتا تو مجھے عجیب نظر آتا تھا، وہ یہ کہ میرے نانا رات کو سونے کے وقت بستر پر بیٹھ جاتے اور بڑے والہانہ انداز

میں پڑھنا شروع کردیتے: "اللّٰھم لک الحمد ولک الشکر، اللّٰھم لک الحمد ولک الشکر، اللّٰھم لک الحمد ولک الشکر"۔ مسلسل جھوم جھوم کر کافی دیر تک یہ پڑھتے رہتے، جب میں نے کچھ ہوش سنبھالا تو میں نے ایک دن ان سے پوچھا کہ یہ رات کو سونے سے پہلے آپ کیا کرتے ہیں؟ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ بات دراصل یہ ہے کہ سارا دن تو غفلت میں گزر جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں ہوتا، اس لیے میں رات کو سونے سے پہلے بستر پر بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کی ایک ایک نعمت کا تصور کرکے اس پر شکر ادا کرتا ہوں۔

☆ یا اللہ! آپ نے یہ مکان عطا فرمایا:
اللّٰھم لک الحمد ولک الشکر۔
☆ آپ نے صحت عطا فرمائی:
اللّٰھم لک الحمد ولک الشکر۔
☆ آپ نے رزق عطا فرمایا:
اللّٰھم لک الحمد ولک الشکر۔
☆ آپ نے آرام دہ بستر عطا فرمایا:
اللّٰھم لک الحمد ولک الشکر۔
☆ آپ نے عافیت عطا فرمائی:
اللّٰھم لک الحمد ولک الشکر۔
☆ آپ نے بیوی عطا فرمائی:
اللّٰھم لک الحمد ولک الشکر۔
☆ آپ نے بچے عطا فرمائے:
اللّٰھم لک الحمد ولک الشکر۔

ایک ایک نعمت کا تصور کرکے اس پر شکر ادا کرتا ہوں تاکہ ان نعمتوں کے شکر کا ہزاروں یا لاکھوں حصہ زبان سے ادا ہوجائے۔

سونے سے پہلے شکر ادا کرلو

حضرت فرمایا کرتے تھے کہ تم بھی ایسا ہی کیا کرو، رات کو سونے سے پہلے تمام نعمتوں کا شکر ادا کرلیا کرو۔ ذرا سا دھیان کرو گے تو سینکڑوں نعمتوں کا استحضار ہوجائے گا، ارے صرف ایک نعمت کو سوچنا شروع کرو گے تو وہ بھی اتنی زیادہ نظر آئے گی کہ ساری عمر بھی سجدے میں پڑے رہو گے تب بھی اس ایک نعمت کا شکر ادا نہیں ہوگا، یہ دو آنکھیں اللہ تعالیٰ نے دی ہیں، ایک آنکھ کو لے لو اور اس کے بارے میں سوچو کہ یہ کیسی نعمت ہے؟ ذرا سا اس میں بال آجائے تب اندازہ ہوگا کہ کیسی نعمت ہے، اسی ایک نعمت کو سوچنا شروع کردو گے تو حق شکر ادا نہیں ہوسکے گا۔

تکبر سے بچنے ایک چٹکلہ

حضرت فرمایا کرتے تھے کہ میاں! یہ تکبر بڑی خراب چیز ہے، بڑے بڑے معالجوں کو چکر دیدیتی ہے، اس کا علاج کرنا آسان کام نہیں ہے، لیکن میں تمہیں ایک چٹکلہ بتا رہا ہوں، اس چٹکلے پر عمل کرلو تو ان شاء اللہ پھر اس تکبر کی بیماری میں مبتلا ہی نہیں ہوگے اور اگر ہوگئے تو انشاء اللہ جلدی نکل جاؤ گے، وہ چٹکلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر ادا کرنے کی عادت ڈالو، ہر وقت، ہر لمحے، چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے اللہ تعالیٰ کے شکر کی رٹ لگاؤ، موسم اچھا ہے: اللّٰھم لک الحمد ولک الشکر۔ ہوا چل رہی ہے: اللّٰھم لک الحمد ولک الشکر۔ جو اچھی بات سامنے آئے، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی عادت ڈالو، جتنا جتنا شکر ادا کرو گے، اللہ تکبر سے اتنی ہی حفاظت رہے گی، کہنے کو تو یہ چھوٹا سا چٹکلہ ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ بڑے کام کی بات ہے، اور عمل کرنا بھی اس پر مشکل نہیں، صرف دھیان کرنے اور مشق کرنے کی بات ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆☆

اعلان غائب غیر مفقود الخبر

مقدمہ نمبر ۲۶/۶۵ء

مدعیہ: افسانہ بانو بنت فرید احمد ساکن سہلا مؤ ڈاکخانہ کاکوری ملیح آباد، یوپی

بنام

مدعا علیہ: مشیر ولد نصیر عرف پہاڑی ساکن ٹکرا ابرار ڈاکخانہ سانڈ، ہردوئی، یوپی

اطلاع بنام مدعا علیہ

مدعیہ افسانہ بانو بنت فرید احمد نے آپ کے خلاف یہاں دار القضاء میں نان ونفقہ نہ دینے، حقوق زوجیت ادا نہ کرنے نیز عرصہ دراز سے غائب ولاپتہ رہنے کی بناء پر فسخ نکاح کا دعوی دائر کیا ہے، اس اعلان کے ذریعہ آپ کو مطلع کیا جاتا ہے کہ آپ جہاں کہیں بھی ہوں مورخہ: ۵/دسمبر ۲۰۱۳ء بروز جمعرات بوقت گیارہ بجے دن دفتر مرکزی دار القضاء اتر پردیش ندوۃ العلماء لکھنؤ میں خود حاضر ہوکر یا اپنی جانب سے کسی کو وکیل مقرر کرکے مقدمہ ہذا کی پیروی کریں، بتاریخ مذکور پر پیروی نہ پائے جانے کی صورت میں مقدمہ ہذا یکطرفہ طور پر آپ کے خلاف فیصل کردیا جائے گا۔ فقط

محمد ظہور ندوی (رکن قاضی کونسل)

مرکزی دار القضاء اتر پردیش ندوۃ العلماء لکھنؤ

حکمت و شعور

کامیابی کی شاہ کلید

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

طوفان اس لیے آتے ہیں کہ اپنی تباہ خیزیوں کے ساتھ گذر جائیں، موجیں اس لیے متلاطم ہوتی ہیں کہ ساحل کو روند کر واپس چلی جائیں، آتش فشاں اس لیے پھوٹتے ہیں کہ زمین کے سینہ میں جو لاوے چھپے ہوئے ہیں وہ باہر آکر ساکت و جامد ہو جائیں، ان کی ہلاکت خیزیاں اور تخریب انگیزیاں اتنی شدید ہوتی ہیں کہ لگتا ہے کہ کائنات کا کوئی ذرہ ان کے پنجہ استبداد سے بچ نہیں سکے گا، لیکن ان کو ثبات و دوام حاصل نہیں ہوتا، انسان کی شخصی اور اجتماعی زندگی میں بھی ایسے طوفان اٹھتے ہیں کہ جس سے دل لرزنے اور قدم ڈگمگانے لگتے ہیں، لیکن اصل میں یہ اس کے لیے اس میں استقامت کا ثبوت دے، کم ہمتی سے دوچار نہ ہو، جذبات سے مغلوب نہ ہو اور ردعمل کی نفسیات میں مبتلا ہو کر کوئی غیر دانشمندانہ اقدام نہ کر بیٹھے تو یہی مصیبت اس کے لیے راحت کا مقدمہ اور یہی وقتی پستی اس کے لیے سربلندی کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے۔

مومن کو قرآن نے ایسے مواقع پر دو باتوں کا حکم دیا ہے، صبر اور صلوٰۃ۔ صبر کیا ہے؟ عام طور پر لوگ سمجھتے ہیں کہ کسی عزیز و قریب کی موت پر رونے دھونے سے اجتناب کا کام "صبر" ہے، لیکن حقیقت میں صبر کا دائرہ بہت وسیع ہے اور اس کا تعلق زندگی کے تمام شعبوں سے ہے، صبر کے معنی برداشت کرنے کے ہیں، قوت برداشت بہت بڑا جوہر ہے اور اس قوت سے محرومی بہت بڑا عیب، جس آدمی میں قوت برداشت ہوتی ہے، اس میں تدبیر کی صلاحیت ہوتی ہے اور وہ مخالف سازشوں سے نمٹنے کی مؤثر کارروائی کر سکتا ہے، انبیاء کو چوں کہ سب سے زیادہ مخالف حالات سے گذرنا پڑتا ہے، اس لیے ان میں حلم و بردباری اور مخالفت کو سہنے کی صلاحیت من جانب اللہ سب سے زیادہ ودیعت ہوتی ہے۔

میرا منشا یہ نہیں ہے کہ صبر کا مطلب بزدلی اختیار کرنا اور حوصلہ ہار جانا ہے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ حکمت کا دامن ہاتھ سے چھوٹنا نہیں چاہئے اور اپنے جذبات کو بے محل خرچ کرنے سے بچنا چاہئے، رسول اللہ کی حیات طیبہ میں قدم قدم پر اس کی مثالیں ملتی ہیں، صلح حدیبیہ کے موقع پر اہل مکہ کی جانب سے ایک جتھہ نے مسلمانوں پر حملہ کیا، جو کم و بیش چالیس افراد پر مشتمل تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ مسلمانوں کی جان کے درپے ہو کر حملہ آور ہوئے تھے اور ان کی حقیقی سزا یہ تھی کہ یہ جس مقصد کے لیے آئے تھے وہی رویہ ان کے ساتھ اختیار کیا جاتا، یعنی انہیں قتل کر دیا جاتا یا کم سے کم وہ قید کر لیے جاتے، لیکن رسول اللہؐ نے انہیں یوں ہی رہا فرما دیا، کیوں کہ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو یقیناً جنگ کی آگ بھڑک اٹھتی اور اس سے چاہے جانی یا مالی نقصان کسی بھی فریق کا ہوتا، لیکن عربوں میں اسلام کے تئیں نفرت اور بڑھ جاتی، کیوں کہ وہ حرم کا بے حد احترام کرتے تھے، انہیں خیال ہوتا کہ مسلمانوں نے اب حرم کی حرمت کو بھی پامال کرنا شروع کر دیا ہے، یہ ہوش کو جوش اور حکمت و مصلحت کو جذبات پر غالب رکھنے کی ایک مثال ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک معرکہ "غزوۂ مصطلق" کے نام سے معروف ہے، اس غزوہ میں ایک انصاری صحابیؓ اور حضرت عمرؓ کے غلام کے درمیان معمولی سی بات پر کچھ تیز و تند گفتگو ہو گئی، پھر انصاریؓ نے اپنی مدد کے لیے انصار کو اور حضرت عمرؓ کے غلام نے مہاجر کو آواز دی اور اس طرح دو افراد کا جھگڑا دو گروہ کا بن گیا، عبداللہ بن ابی جو نفاق کے مرض میں مبتلا تھا، بلکہ گروہ منافقین کی قیادت کرتا تھا اور کسی ایسے موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیتا تھا، جس سے اسلام کو اور مسلمانوں کو نقصان پہنچے، اس نے اس موقع کو بہت غنیمت جانا اور انصار کو یہ کہہ کر برانگیختہ کیا کہ مہاجرین کے معاملے میں تمہاری مثال عربوں کے اس محاورہ کی سی ہے کہ اپنے کتے کو کھلا پلا کر موٹا کرو کہ وہ تمہیں ہی کاٹ کھائے، "سمن كلبك يا كلك" عبداللہ بن ابی کی اس ریشہ دوانی کی اطلاع حضور کو ایک کمسن انصاری صحابیؓ نے دی، جب آپؐ نے عبداللہ بن ابی کو بلا کر استفسار فرمایا تو وہ صاف مکر گیا، کچھ دوسرے بزرگ انصار جو عبداللہ بن ابی کے نفاق سے واقف نہیں تھے، انہوں نے بھی عبداللہ بن ابی کی حمایت کی، اس موقع پر قرآن مجید کی آیت ان کمسن انصاری صحابیؓ کی تصدیق میں نازل ہوئی، حضورؐ نے ازراہ شفقت ان کی گوش مالی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق کی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر حق کا جوش غالب رہتا تھا، انہوں نے آپؐ سے اجازت مانگی کہ عبداللہ بن ابی کی گردن مار دی جائے، اگر حضور کی اجازت مرحمت فرماتے تو یقیناً یہ بجا ہوتا کہ "الفتنة أشد من القتل" لیکن آپؐ نے اس سے منع فرما دیا کہ اگر میں ایسا کروں تو انصار کو غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے اور لوگ سوچیں گے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اب خود اپنے رفقاء کو قتل کرا رہے ہیں، اس لیے آپؐ نے خاموشی اختیار فرمائی اور صحابہؓ کو کوچ کرنے کا حکم

دیا، پھر آپؐ اس پورے دن رات، اور آئندہ دن دوپہر تک خلاف معمول چلتے رہے، یہاں تک کہ صحابہ تھک کر چور ہو گئے تو آپؐ نے پڑاؤ کرنے کا حکم فرمایا، اس مسلسل سفر کا مقصد یہ تھا کہ لوگ اتنا تھک جائیں کہ انصار مہاجرین کے درمیان جو تلخی وہاں پیدا ہو گئی تھی، اس کا اثر جاتا رہے، پھر ایک وقت آیا کہ خود عبداللہ بن ابی کے صاحبزادے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، یہ بہت مخلص مسلمان اور نبی کریمؐ کے خاص محبین میں تھے، انہوں نے درخواست کی کہ میں اپنے والد کے نفاق سے واقف ہوں اور اگر آپ کا حکم ہو تو میں خود انہیں قتل کر سکتا ہوں، آپؐ نے اس سے منع فرمایا اور ارشاد ہوا کہ جب تک کوئی شخص اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرے گا، میں اس کے ساتھ مسلمانوں کا سا ہی معاملہ کروں گا، پھر آپؐ نے حضرت عمرؓ کو یہ صورت حال بتائی کہ اگر ہم اس وقت عبداللہ بن ابی کے قتل کا حکم دیتے تو اس سے بعض مسلمانوں کو بھی غلط فہمی ہو سکتی تھی، لیکن اب یہ صورت حال ہے کہ خود ان کے بیٹے ان کا سر قلم کرنے کو تیار ہیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی رائے میں برکت رکھی ہے، بارك الله في رأي رسوله۔

یہ وہی حکمت و مصلحت اور جوش پر ہوش کو غالب رکھنے کی بات ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں اس کی کتنی ہی مثالیں ملتی ہیں، موجودہ حالات میں مسلمانوں پر ضروری ہے کہ وہ اس صورت حال کو سمجھیں، اگر ہم نے مغلوب الجذبات ہو کر چند پتھر پھینک دیئے، تو اس سے یقیناً دوسروں کا کچھ خاص نقصان نہیں ہوگا اور نہ اس سے آپ کو کوئی فائدہ حاصل ہوگا، البتہ اس سے آپ کے لئے بہت زیادہ نقصان و مضرت کا اندیشہ موجود ہے، کوئی انسان کتنا بھی ظالم اور بدخواہ ہو، اس کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کو اپنے ظلم وجور کے لئے کوئی دلیل ہاتھ آجائے، خواہ وہ کمزور سے کمزور تر کیوں نہ ہو، شیطان نے بھی اپنی عدول حکمی کے لیے ایک دلیل دریافت کر لی تھی کہ حضرت آدمؑ کا مادۂ تخلیق سے کمتر ہے، اس لئے وہ آدم کو سجدہ نہیں کرے گا۔

اگر ہم مشتعل اور بے برداشت ہو کر کوئی معمولی سی حرکت بھی کر گذریں تو جو لوگ اپنے سینوں میں بغض چھپائے رکھتے ہیں، ان کو اپنی زیادہ کے لیے سند جواز ہاتھ آجائے گی، گویا ہم نے اپنے ہاتھوں ان کو اشتعال کا ہتھیار دے دیا ہے، پھر لوگ واقعات اور اس کے اصل محرکات کو نہیں دیکھتے، بلکہ ظاہری سبب کو ہی اس کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں، اس لیے ایسے موقع پر سوچنا چاہیے کہ کون سا قدم ہمارے مقصد کے لئے مفید و معاون ہوگا، مثلاً مختلف مسلم ممالک کے خلاف مغرب کے متعصبانہ رویے کی بات ہے۔ اگر ہم حکومت سے نمائندگی کریں کہ وہ اس معاملہ میں مظلوم کی طرفداری یا کم سے کم غیر جانبداری کو برقرار رکھے، تو یہ ایک معقول بات ہوگی، اسی طرح مغربی ممالک اور عالم اسلام کے سفارت خانوں سے بھی ملاقاتیں کر سکتے ہیں اور ان کے سامنے اپنے جذبات رکھ سکتے ہیں، لیکن اگر ہم اس مقصد کے لیے سڑکوں پر نکل آئیں تو اس سے ہمارے مقصد کو تو کوئی تقویت حاصل نہیں ہوگی، لیکن فرقہ پرست طاقتوں کے کاز کو ضرور تقویت ملے گی اور یہ ہمارے لیے کس قدر نقصاندہ ہوگا، وہ محتاجِ بیان نہیں۔

خدا کی مدد کا دوسرا ہتھیار "صلوٰۃ" ہے، صلوٰۃ کے اصل معنی نماز کے ہیں، نماز ایک ایسی عبادت ہے، جس میں انسان خدا کے سامنے اپنے آپ کو مکمل طور پر بچھا دیتا ہے اور پیشانی سے لے کر پاؤں تک انگ انگ خدا کی بندگی میں مشغول رہتا ہے، اس لیے نماز دراصل رجوع الی اللہ کا عنوان بھی ہے، یعنی مشکل حالات میں انسان اپنے رب کی طرف پوری طرح رجوع ہوتا جائے، وہ خدا کی چوکھٹ پر اپنی پیشانی رکھ دے، کہ ہم محتاج ہیں تو غنی، ہم فقیر ہیں تو داتا، توانا، ہاتھوں کو خالی ہاتھ واپس نہ فرما، خدا کی طاقت بے پناہ ہے، یوں تو روز و شب خدا کی قدرت کو ہم دیکھتے ہی رہتے ہیں، لیکن یہ قدرت اسباب کے پردہ میں ظہور پذیر ہوتی ہے، کبھی کبھی خدا کی طاقت اسباب سے آزاد ہو کر بھی انسان کے مشاہدہ میں آتی ہے، غور کرو کہ جب حضرت موسیٰؑ اور قوم بنی اسرائیل کا پیچھا کرنے کے لیے فرعون کا لشکر جرار جمع ہو رہا تھا اور کبر و غرور سے مخمور ہو کر نکل رہا تھا، تو لوگ یہی دیکھ رہے تھے کہ یہ لشکر مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے لیے چل رہا ہے، لیکن اللہ کے یہاں یہ بات مقدر تھی کہ ان کا یہ اجتماع خود ان کے نیست و نابود ہونے کا ذریعہ بن جائے، چنانچہ وہی ہوا، بدر کے معرکہ میں بڑے بڑے سورما اور بہادر مکہ سے چلے آئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا کہ مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑوں کو تمہارے سامنے ڈال دیا ہے، ان کے جوش و خروش کو دیکھ کر لوگوں کو خیال گذرا ہوگا کہ یہ تو مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے، لیکن کسے خبر تھی کہ اللہ تعالیٰ ان سورماؤں کو اس لئے جمع کر رہا ہے کہ خود ان کا وجود صفحۂ ہستی سے مٹ جائے اور مکہ کو اپنے ضدی سرداروں سے نجات مل جائے، کہ آئندہ اہل مکہ کے لیے دعوت حق قبول کرنا آسان ہو، غزوۂ احزاب میں اتحادیوں کی ایک پہاڑ جیسی فوج اس لیے جمع ہوئی تھی کہ مسلمانوں کے مقابلہ تمام اسلام مخالف طاقتوں کو متحد و مربوط کر دیا جائے، لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ بات منظور تھی کہ اس آخری کوشش کی ناکامی کے بعد ہمیشہ کے لیے ان کی ہمت ٹوٹ جائے اور خود ان کی صفیں بکھر کر رہ جائیں۔

اس لیے ہمیں خدا کی طرف اور اس کے خزانہ طاقت سے مدد لینی چاہیے، اس کے لیے نہ کوئی چیز انہونی ہے، اور نہ کوئی بات ناممکن، وہ چاہے تو وقت کی سپر طاقتوں کو راکھ کا ڈھیر بنا دے اور اپنے کمزور بندوں کو آہن فولاد سے زیادہ طاقت ور، دعا کا مقصد یہی ہے کہ مومن، خدا کے غیبی خزانہ سے اپنا مدعا حاصل کرے، یہ صبر اور رجوع الی اللہ، اللہ کی مدد کی کلی اور کامیابی کا ہتھیار ہے، اور بے صبری اور خالق کے بجائے مخلوق پر بھروسہ مومن کے لیے ناکامی ونامرادی کا پیش خیمہ، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ: صبر اور صلوٰۃ کے ذریعہ اللہ سے مدد چاہو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے، یہ آخری فقرہ صبر کی مزید تاکید کے لئے ہے، کیوں کہ صبر ایک مشکل کام ہے، یہ اپنے جذبات کی آگ کو آپ بجھانا اور نفس کے تقاضوں کو آپ قتل کرنے کے مترادف ہے، انسان کا کسی مقصد کے لیے یکبارگی جان دے دینا نسبتاً آسان ہے، لیکن کسی کاز کے لیے گھٹ گھٹ کر مرنا اور مسلسل اپنے جذبات کو تختہ دار پر چڑھانا بہت دشوار، اسی لیے شاعر نے خوب کہا ہے ؎

سلگنا اور شے ہے، جل کے مرجانے سے کیا ہوگا
ہوا ہے کام جو ہم سے وہ پروانوں سے کیا ہوگا

موجودہ حالات میں ہمیں اپنے آپ کا سلگنے کا حوصلہ پیدا کرنا چاہیے، ہمارے دل حوصلہ وہمت سے معمور ہوں، ہمارے جذبات کے گھوڑے کی لگام حکمت وشعور کے ہاتھوں میں ہو، ہماری پیشانی میں خدا کے یقین کا نور ہو اور ہمارے ہاتھ اپنے خالق کے حضور اٹھے ہوئے ہوں، یہی ہمارے لیے کامیابی کا راستہ ہے، اور اسی طرح ہم اللہ کی مدد کے مستحق ہو سکتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کی جدید ودیدہ زیب طباعت

☆ المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

از حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

یعنی امیر المومنین سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کی مفصل سوانح حیات مستند کتب تاریخ، ناقابل انکار واقعات وحقائق، تجزیاتی وتقابلی مطالعہ کی روشنی میں۔

صفحات: ۴۸۰ قیمت: ۲۵۰

MUHAMMAD
THE IDEAL PROPHET

از علامہ سید سلیمان ندویؒ

صفحات: ۱۶۴ قیمت: ۱۰۰

نوٹ: طلباء کے لیے خصوصی رعایت

ناشر: مجلس تحقیقات ونشریات اسلام

پوسٹ بکس ۱۱۹، ندوۃ العلماء کیمپس، ٹیگور مارگ، لکھنؤ

Ph No.: 0522-2741539 - Mob No.: 9889378176
Email.airpnadwa@gmail.com

دعائے مغفرت

☆ جامعہ تعلیم الدین، آنند گجرات کے ذمہ دار مولانا عبد الرحیم کا ۹؍ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ مطابق ۱۵؍ اکتوبر ۲۰۱۳ء بروز منگل انتقال ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

☆ ناظر مطبخ سوم دار العلوم ندوۃ العلماء مولوی عبد اللہ ندوی کے برادر گرامی حفیظ اللہ پرتا پگڈھی کا مورخہ ۴؍ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ مطابق ۹؍ نومبر ۲۰۱۳ء بروز سنیچر صبح ۶ بجے انتقال ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم طبعاً سخی اور صاف گو تھے، دینی حمیت انہیں اپنے والد مرحوم سے ملی تھی، ان کے والد مرحوم علاقہ کے معتبر علماء اور دعوت وتبلیغ کے سرگرم رکن تھے، وہ نائب مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء مولانا عبد القادر پٹنی ندوی کے ابتدائی درجات میں ندوہ میں ساتھی تھے، مگر عالمیت مکمل نہ کر سکے اور ممبئی چلے گئے اور زندگی کا بڑا حصہ وہیں گذارا۔

مدیر مسئول "تعمیر حیات" مولانا شمس الحق ندوی اور عمید کلیۃ اللغۃ العربیۃ وآدابہا مولانا نذر الحفیظ ندوی ازہری ان کے والد مرحوم مولانا کفایت اللہ سے پرتا پگڈھ میں پڑھ کر دار العلوم ندوۃ العلماء آئے تھے۔

☆ گجرات ضلع سابر کانٹھا کے سرگرم مبلغ مولانا یوسف اسلام پوری کے والد محترم اور خسر دونوں کا مورخہ ۱۹؍ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ مطابق ۲۳؍ نومبر ۲۰۱۳ء بروز سنیچر انتقال ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ ان سب کی مغفرت فرمائے، پسماندگان کو صبر جمیل عنایت کرے اور جنت الفردوس میں مقام دے، قارئین "تعمیر حیات" سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

☆☆☆

اسوۂ صحابہؓ

دینی واسلامی اخوت

مولانا بلال عبد الحی حسنی ندوی

اسلام نے اپنے ماننے والوں کو محبت کی ایک لڑی میں پرو دیا ہے، اپنے بیگانے ہوگئے اور بیگانے سگے بھائیوں سے بڑھ کر قرار پائے، خونی رشتہ کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے لیکن اسلامی رشتہ خونی رشتہ سے بڑھ کر ہے، خونی رشتہ طبعی اور فطری ہے، اس میں شعور وتعقل کو دخل نہیں ہوتا لیکن ایمانی رشتہ عقل وآگہی کی بنیادوں پر قائم ہوتا ہے، عقل کے راستہ سے یہ محبت دل میں داخل ہو جاتی ہے، پھر کوئی بڑی سے بڑی طاقت اس کو جدا نہیں کر سکتی، خونی رشتہ ٹوٹتے ہوئے دیکھے گئے ہیں لیکن ایمان کا رشتہ جب استوار ہو جاتا ہے تو شاید ہی اس کو کسی نے ٹوٹتے ہوئے دیکھا ہو، اس ایمانی رشتہ کی بنیاد ایمان ہے، ایمان کی پختگی کے ساتھ اس کی پختگی قائم ہے، ایمان کی کمزوری سے یہ رشتہ بھی کمزور پڑ جاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے لوگ اس رشتہ سے واقف نہ تھے، ان کے تعلقات قبائل کی بنیادوں پر قائم تھے، ان کے یہ تعلقات اور آپس کے رشتے اندھے اصولوں کے ساتھ وابستہ تھے، انکا نعرہ تھا "أنصر أخاك ظالماً أو مظلوماً" ہر صورت میں بھائی کی مدد کرنی ہے وہ ظالم ہو یا مظلوم، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت کے بعد اسلامی اخوت کا جو رشتہ عطا فرمایا، اس کو پاکیزہ اصولوں کے ساتھ جوڑا اور اس کی روشنی میں ان اولین مسلمانوں کی ایسی تربیت فرمائی کہ وہ ان تعلیمات میں ڈھل گئے، اسلامی اخلاق وتعلیمات اور اجتماعی زندگی کے اصول ان کے مزاج میں داخل ہوگئے، اسی لیے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا: "أنصر أخاك ظالماً أو مظلوماً" "اپنے بھائی کی مدد کرو ظالم ہو یا مظلوم تو انہوں نے فوراً کہا: "ننصره مظلوماً" "ہم مظلوم کی مدد کر سکتے ہیں، "فكيف ننصر ظالماً" ظالم کی مدد کیسے کریں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمنعه من الظلم" "اس کو ظلم نہ کرنے دو، یہی اس کی مدد ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت سے ان کے مزاج بدل گئے، کل تک جن کی زبانیں اسی نعرہ کو دہراتے دہراتے نہ تھکتی تھیں، آج جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے یہ جملہ دہرایا تو وہ چونک گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا رُخ پھیر دیا اور اس کی حقیقت بیان فرما دی کہ تم جس کی مدد سمجھتے ہو وہ دشمنی ہے، مدد تو یہ ہے کہ ظالم کو ظلم سے روک دیا جائے تاکہ وہ اس کے اخروی اور حقیقی نقصانات سے محفوظ رہے۔

اسی پاکیزہ اسلامی بھائی چارہ کا اثر تھا کہ اسلام پھیلتا جاتا تھا اور اسلامی برادری بڑھتی جاتی تھی، اس میں رنگ ونسل کی کوئی تمیز نہ تھی، کوئی حبش کا ہے تو کوئی فارس کا، کوئی خالص عربی النسل ہے تو کوئی عجم کے خاندان کا فرد ہے، سب ایک دستر خوان کے شریک ہیں، سب اپنے اپنے ظرف کے اعتبار سے لے رہے ہیں، کسی کو کسی سے کوئی عار ہے نہ بیر، یہ اسی اسلامی اخوت کا نمونہ تھا کہ عرب کے سردار فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ایک حبشی نژاد سیاہ فام کے بارے میں "سیدنا" ہمارے آقا کے الفاظ استعمال کر رہے ہیں، حضرت بلال مؤذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ رتبہ کہاں سے ملا؟ یہ اس اسلامی اخوت کا نتیجہ تھا۔

حضرات صحابہ کا مزاج بن چکا تھا، وہ اس اسلامی اخوت کے حامل وترجمان تھے، پھر ہجرت مدینہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ نے مؤاخات کی جو فضا قائم فرمائی، مہاجرین وانصار کے درمیان اس کے نتیجہ میں جو محبت قائم ہوئی تاریخ اس کی مثال پیش نہیں کر سکتی، ایک ایک مہاجر کو انصاری کا بھائی قرار دیا گیا، حضرات انصارؓ نے اس کا حق ادا کر دیا، اپنا کل مال دو حصوں میں تقسیم کر دیا اور مہاجرین کو اس میں پوری طرح شریک کرنا چاہا، اس کی انتہائی مثال یہ ہے کہ ایک انصاری نے کہا کہ میری دو بیویاں ہیں، آپ جس کو پسند کرنا چاہیں قبول کر لیں، میں طلاق دے دیتا ہوں، آپ اس سے نکاح کر لیں، حضرات مہاجرینؓ کہاں اس پر راضی ہوتے، انہوں نے کہا کہ بازار کا پتہ بتا دیجیے، یہ مال آپ کو مبارک ہو، اسی اسلامی اخوت کا نتیجہ تھا کہ اوس وخزرج کے قبائل جن کی دشمنی سالہا سال سے چلی آرہی تھی، جنگ بعاث جن میں چالیس سال تک جاری رہ چکی تھی، اسلام نے اس طرح ان کو جوڑ دیا کہ آج دونوں کی الگ الگ پہچان مشکل ہے، دنیا دونوں قبیلوں کو انصار کے نام سے جانتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس احسان کا ذکر قرآن مجید میں فرمایا ہے: "وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ

فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا" . (اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو کہ تم (اس میں ایک دوسرے کے) دشمن تھے تو اُس (اللہ) نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا، سو تم اس کی نعمت سے (اس میں) بھائی بھائی ہوگئے)۔

سورۃ الحجرات کی دسویں آیت میں اسی بات کو تازہ کیا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے: "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ" (ایمان والے تو آپس میں بھائی بھائی ہیں)۔

آیت کے اس حصہ میں کئی باتیں قابل غور ہیں، بھائی کا بھائی سے کیا رشتہ ہوتا ہے، کیسی محبت ہوتی ہے، آج خالص مادی دور میں شاید اس کو سمجھنا مشکل ہو، یورپ کے خالص مادی اور میکانکی نظام زندگی نے ساری انسانی قدریں خاک میں ملادیں، اخبار میں اکثر یہ خبریں بھی آنے لگی ہیں کہ ماں نے بیٹے کو قتل کیا، نوزائیدہ کو اس کی ماں کوڑے دان میں ڈال گئی، بعثت نبویؐ سے پہلے عربوں میں ہزار جاہلیت کے باوجود یہ درندگی نہ تھی، وہ بھائی کے رشتۂ محبت سے آشنا تھے، اسی رشتہ کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے، ایک بھائی کا بھائی سے جو تعلق ہوتا ہے وہی تعلق ایک ایمان والے کا دوسرے ایمان والے سے ہوتا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ تشبیہ میں کوئی واسطہ اختیار نہیں کیا گیا، یہ نہیں کہا گیا کہ ایمان والے بھائیوں کی طرح ہیں، براہ راست کہا جارہا ہے کہ وہ تو بھائی بھائی ہیں، تیسری ایک بات اور قابل توجہ ہے، وہ یہ ہے کہ بات کہنے سے پہلے "انما" کا لفظ استعمال ہوا ہے، عربی گرامر کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر لفظ "انما" کے ساتھ کسی چیز کی خبر دی جارہی ہو تو وہ خبر بالکل نئی نہیں ہوتی، لوگ اس کے بارے میں پہلے سے واقف ہوتے ہیں گویا اس میں یہ اشارہ ہے کہ تم اخوت ایمانی سے واقف ہو تو تمہیں اس کا خیال رکھنا چاہیے، آگے بطور خاص اس چیز کا ذکر کیا جارہا ہے جس کی تمہید کے طور پر "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ" کہا گیا ہے، ارشاد ربانی ہے: "فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ" (اپنے بھائیوں میں صلح کرادو)۔

یہ پوری آیت درحقیقت گذشتہ آیت کا تتمہ ہے جس میں یہ حکم تھا کہ اگر دو مسلمان گروہوں میں تصادم ہو جائے تو تمہیں صلح صفائی کرادینی چاہیے، یہاں اس کی تحریض کی جارہی ہے، اور اس کی وجہ بھی بیان ہورہی ہے کہ اگر دو بھائیوں میں جھگڑا ہو جائے تو بقیہ بھائیوں کو رشتۂ محبت کی بنا پر اس کی فکر ہوتی ہے کہ دونوں کو ملا دیا جائے تاکہ سب کو اس مصیبت سے نجات ملے اور زندگی کا مزہ آئے، اسی طرح ایمانی رشتۂ اخوت میں بھی جو کسی طرح بھی خونی رشتہ سے کم نہیں بلکہ بعض وجوہات کی بنا پر اس سے بڑھ کر ہے، یہی فکر ہونی چاہیے، اگر دو ایمان والوں میں یا دو مسلمان گروہوں میں نزاع ہو تو بقیہ ایمان والے بھائیوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ صلح صفائی کی فکر کریں تاکہ بہتر ماحول پیدا ہو، آپس کے تعلقات استوار رہیں اور جینے کا مزہ آئے، آیت کے اخیر میں فرمایا: "وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ" (اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تاکہ تم رحمتیں نازل ہوں) اس میں خطاب صرف صلح کرانے والوں کو ہی نہیں ہے بلکہ دونوں جھگڑنے والے فریق بھی اس میں شامل ہیں، اور تمام مسلمانوں کے لیے ایک عمومی حکم بھی ہے، تقویٰ کی زندگی اختیار کرنے سے مومن اللہ کی رحمت خاص کا مستحق بنتا ہے، عام طور پر جھگڑے دل کے میل سے پیدا ہوتے ہیں، کینہ کپٹ، حسد، غیبت، چغلی، حق تلفیاں جھگڑوں کی بنیاد بنتی ہیں، اگر تقویٰ مزاج میں داخل ہوگا تو دلوں میں صفائی پیدا ہوگی، قلبی امراض سے شفا ملے گی، دل آئینہ کی طرح شفاف ہو جائے گا، اپنی برائیاں نظر آنے لگیں گی، اب دوسروں کی آنکھ کے تنکوں بلکہ شہتیر کے بجائے اپنی آنکھ کے تنکے نظر آئیں گے، دوسروں کے لیے چشم پوشی کا مزاج بنے گا، اور اس کے نتیجہ میں بہتر سے بہتر ماحول پیدا ہوگا، دونوں فریقوں کو بھی صلح کے لیے تقویٰ اختیار کرنے کی ضرورت ہے اور ثالثی کرنے والے اور صلح صفائی کرانے والے کو بھی تقویٰ کی ضرورت ہے تاکہ وہ جنبہ داری نہ برتے، فیصلہ کرتے وقت اللہ کا لحاظ اور اس کا ڈر ہو۔

مجموعی اعتبار سے اس تقویٰ کے نتیجہ میں جب میل ملاپ کا ماحول بنے گا، ایک دوسرے کا خیال ہوگا تو یہ چیزیں بھی رحمت الٰہی کو متوجہ کرنے والی ہے۔

عالمی اخوت اسلامی کی یہ دعوت ہی نہیں بلکہ حقیقت ایمان کا یہ نتیجہ ہے جس کو آیت شریفہ میں بیان کر دیا گیا ہے، اور یہ نتیجہ جب ہی ظاہر ہوگا جب ایمان اور ایمان کے تقاضوں کو سمجھ کر ان پر عمل کا جذبہ ہوگا، جب مومن اپنے مومن بھائی کے لیے وہی پسند کرے گا جو اپنے لیے پسند کرتا ہے، جب وہ اپنے مومن بھائی کو نہ رسوا کرے گا نہ اس کو بے یار و مددگار چھوڑے گا، بلکہ اگر ضرورت پڑے گی تو اس کے لیے سپر بن جائے گا، یہ ہے وہ ایمانی اخوت کا مضبوط تر رشتہ جس کے نتیجہ میں ایک صحابیؓ نے جان دے دی لیکن اپنے پیاسے ایمانی بھائی سے پہلے پانی پینا گوارہ نہ کیا۔

☆☆☆☆☆

شمع ہدایت

قرآن مجید میں تمام مسائل کا حل موجود

ایک کنیڈین عیسائی، مذہبی خاتون کا قبول اسلام

جاوید اختر ندوی

مشہور ہفت روزہ کویتی مجلہ "المجتمع" نے ۲۷ر جولائی ۲۰۱۳ء کے شمارے میں نومسلمہ میرین سیزر کا ایک اہم انٹرویو شائع کیا جنہوں نے دو سال قبل اسلام قبول کیا ہے، یہ ان لوگوں میں ہیں جنہیں اللہ رب العزت نے مختلف مذاہب اور عقائد کی دہلیز پر سر خم کرنے اور ضلالت و گمراہی کی وادیوں میں برسوں بھٹکنے کے بعد ایمان و اسلام کی عظیم ترین نعمت کے بعد سے نوازا جس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہوسکتی، اسلام قبول کرنے کے سلسلے میں ان حضرات کے ساتھ مختلف واقعات و حالات حالات پیش آئے، آخر رب رحیم و کریم نے دست گیری فرمائی اور دین فطرت یعنی اسلام کی دولت لازوال سے ان کو نواز دیا، اور جب ان میں سے کسی سے ملاقات و گفتگو کا موقع حاصل ہو جائے تو ایسا لگتا ہے کہ رب کائنات نے تو انہیں صرف اور صرف دین اسلام ہی کے لیے پیدا کیا تھا، اور ایک عجیب قسم کا احساس طاری ہو جاتا ہے کہ یہ حضرات ایسی زندگی گذار رہے ہیں جس کی مثال نہیں جیسے کسی بچہ کو گردش زمانہ نے اس کی ماں سے دور کر دیا ہوتا کہ وہ ایک لمبی مدت کے بعد پھر اس کی گود میں آجائے اور اس مشفق ماں کی مامتا اسے پھر سے حاصل ہو جائے۔

"میرین سیزر" نامی خاتون کا تعلق کناڈا سے ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو اسلام کی دولت بیش بہا سے مالال کر دیا اور اس نے کنیڈا کے اسلامک سینٹر "وردان" Vardun کی مسجد ابو ہریرہ میں امام احمد شیہان اور سینٹر کے ذمہ دار احمد صادق کے سامنے اسلام قبول کیا، یہ ۳۱ر دسمبر ۲۰۱۰ء کا واقعہ ہے، ماریان کی پیدائش ایک خالص مذہبی عیسائی خاندان میں ہوئی، وہ کئی برسوں تک چرچ میں مذہبی عبادتوں کے بعد ہونے والی دعاؤں کی نگراں رہی، پھر وہ آہستہ آہستہ روحانی پیشوا بن گئی، لیکن اس نے وردان کے اسلامک سینٹر میں وہ شفقت بھرا جوہر پایا جس نے اس کو سینہ سے لگا لیا اور دین اسلام میں دخول اور حقیقی سعادت و ابدی نجات تک لانے کا سبب بنا۔

مجلہ "المجتمع" نے میرین سے کناڈا کے اسلامک سینٹر کے صدر پروفیسر احمد شیہان جزائری کے ذریعہ انٹرویو لیا، انہوں نے کہا کہ میرین نے جب پہلی بار ۲۰۰۹ء میں اسلامک سنٹر کی زیارت کی تو اس نے اسلام کے سلسلے میں اپنے شوق و رغبت کا اظہار کیا اور اس کو قبول کرنے پر آمادگی ظاہر کی، سینٹر نے محسوس کیا کہ یہ خاتون بڑی تعلیم یافتہ ہے جس سے معلوم ہوا کہ اس کو دین کے سلسلہ میں مطمئن کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ اس کو ایک مثالی اسلامی ماحول کی ضرورت ہے جس میں وہ زندگی کے چند ایام گزار کر اسلام تک پہنچ جائے۔

میرین ۵ر جولائی ۱۹۵۶ء میں ایسے خانوادہ میں پیدا ہوئی کہ ماں اور باپ دونوں کے دونوں عیسائی مذہب کے پیشوا اور چرچ کے ذمہ دار تھے، یہ ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھی، اور چونکہ اس کے ماں باپ اپنی مذہبی تعلیمات کے بڑے پابند تھے اس لیے میرین چرچ ہی میں پروان چڑھی اور وہ عیسائیوں کی ہر تعلیم کو اپنانے لگی، وہ مزید قریب اس لیے ہوگئی کہ اس کی ماں اس چرچ کے پادری کی سکریٹری تھی، اور چونکہ اس کو موسیقی سے بڑا شغف تھا اور وہ موسیقی کے آلات اچھی طرح استعمال کرنا جانتی تھی، چرچ کے ذمہ داروں نے اس کو مذہبی عبادتوں کے بعد ہونے والی دعاؤں کی نگرانی کا کام سونپ دیا، اس وقت میرین کی عمر ۱۸ سال سے زیادہ نہیں تھی، اس عہدہ پر وہ ۱۷ سال تک رہی اور ۱۹۹۱ء میں جب چرچ کا دروازہ عورتوں کے لیے مکمل طور پر کھول دیا گیا تو میرین چرچ کے جملہ مذہبی امور کی نگراں اور ذمہ دار بن گئی۔

میرین خود اپنا قصہ بیان کرتے ہوئی کہتی ہے کہ مجھے ادیان و مذاہب کے مطالعہ سے بڑا شغف تھا، میں چرچ کے اندر زیادہ سے زیادہ سوالات کرنے کے تعلق سے مشہور تھی جس کی وجہ سے مجھے بعض اوقات بڑی پریشانیاں بھی اٹھانی پڑتی تھیں، وہ خود کہتی ہے کہ ہر مبہم چیز کے بارے میں میرے دل میں کوئی نہ کوئی سوال پیدا ہوتا اور وہاں کے پادری کے سامنے جب میں یہ سوال رکھتی تو وہ ایسا جواب دیتے جس سے مجھے تسلی و تشفی نہیں ہوتی، میں ہر بات میں "لماذا" کہتی اور وہ "لأنه" کہہ کر جواب دیتے مگر لاحاصل، جس کا مطلب یہ ہوتا کہ جو کچھ کہا جارہا ہے اس کو من و عن تسلیم کرلو، مگر میرا دل اس کو قبول کرنے کے لیے بالکل تیار نہیں ہوتا، میرا دین اسلام سے پہلا تعارف اس وقت ہوا جب

میں سیکنڈری میں تھی جس میں میں نے اسلام، عیسائیت اور یہودیت تینوں آسمانی مذاہب کا تقابلی مطالعہ وموازنہ اپنی تحقیق کے لیے منتخب کیا، اس سلسلہ میں ۱۹۴۷ء میں ایک مسجد جا کر وہاں کے نظام اور عبادتوں کی انجام دہی اور دین اسلام کی تعلیمات وہدایات کے سلسلہ میں بڑی معلومات بھی حاصل کی تھی۔

میرین یونیورسٹی سے فارغ ہوگئی اور چرچ میں مذہبی خدمت کے ساتھ ساتھ ایک کیتھولک اسکول میں سائنس کی ٹیچر بن گئی اور پھر وہ روحانی زندگی کی مکمل رہنما بن گئی، اس کے بعد اس نے ادیان ومذاہب کا تقابلی مطالعہ اپنے ایم اے کے مقالہ کے لیے متعین کیا، اس تحقیق نے اس کو بڑی گہرائی سے تینوں مذاہب یعنی اسلام، عیسائیت اور یہودیت کے مطالعہ پر آمادہ کیا، اس سلسلے میں میرین کہتی ہے کہ اس نے عیسائی مذہب میں کثرت سے ایسے سوالات پائے جن کا اس کے ماننے والوں کے پاس کوئی جواب نہیں اور بیشتر مواقع پر ایسی متضاد چیزیں دیکھیں جن کو کسی عقلمند انسان کی عقل سلیم کبھی قبول نہیں کر سکتی خاص طور پر تثلیث کا نظریہ جس کے سلسلہ میں اس کوئی تشفی بخش وضاحت نہیں مل پائی نہ ان لوگوں کے نزدیک جو یہ کہتے ہیں کہ یہ تین روحیں ہیں ایک ہی جسم میں اور نہ ان لوگوں کے نزدیک جو کہتے ہیں کہ ایک روح کے اندر تین جسم ہیں، اسی طرح مسئلہ خلق انسان کے سلسلے میں اس کو معتبر روایت یا تشفی بخش وضاحت نہیں مل پائی اور کوئی آسمانی دین اس اہم اور بنیادی مسئلے سے کس طرح غافل ہو سکتا ہے؟ میرین کہتی ہے کہ اس تحقیق کے دوران انجیل کے مختلف نسخوں کو دیکھ کر اسکی عقل حیران اور دنگ رہ گئی جب اس نے یہ دیکھا کہ ہر ایک نسخہ دوسرے سے معانی اور تفاسیر میں بالکل مختلف ہے۔

میرین انجیل کے بارے میں اپنا تاثر بیان کرتے ہوئے کہتی ہے کہ اس کتاب کی جو موجودہ شکل ہے، اس میں بہت ساری انسانی عقل میں آنے والی بالکل نہیں ہیں، اور بہت سارے قصے ادھورے، ناتمام اور جھوٹے ہیں، اور مثال کے طور پر حضرت حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کا قصہ بیان کرتے ہوئے کہتی ہے کہ انجیل کے نسخے حضرت ہارونؑ پر یہ الزام دیتے ہیں کہ انہوں نے بچھڑا بنانے کا حکم دیا تھا اور اپنی قوم کے سامنے پیش کیا تھا کہ یہ معبود ہیں، ان کی عبادت کرو، تو ایک نبی ایسا کیسے کر سکتا ہے کہ وہ اپنے ہاتھ سے بچھڑا بنائے اور لوگوں سے کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر اس بچھڑے کی عبادت کرو، جب میرین ایم اے سے فارغ ہونے لگی تو اس وقت تک اس کی لائبریری میں بہت ساری کتابیں جمع ہو چکی تھیں لیکن واحد کتاب جس میں وہ مطالعہ کی روشنی میں اپنے سوالات کے کافی اور شافی جوابات اور سچے قصے پاتی تھی وہ کتاب قرآن کریم ہے، اسی وجہ سے اس کے ذہن میں یہ بات راسخ ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہی وہ واحد کتاب ہے جس کی نظیر دنیا پیش نہیں کر سکتی اور یہ بھی کہ دین اسلام ہی برحق دین ہے۔

میرین نے کس طرح اسلام قبول کیا جب کہ وہ عیسائی خاندان میں پیدا ہوئی؟ اس کے سلسلے میں استاذ احمد شیہان کہتے ہیں کہ ماریان ہمارے پاس آکر کہنے لگی کہ جب ہمارے مذہب کا پیشوا ایسے شخص کو بنایا گیا جو میری نظر میں بالکل صحیح نہیں تھا اور میں نے ان کی تحریروں کو پڑھ کر یہ فیصلہ کر لیا کہ میں اب اس مذہب میں بالکل رہی ہوں گی، امام شیہان کہتے ہیں کہ میرین کا قبول اسلام وردان کی نئی نسل کے لیے خیر وبرکت کا تحفہ ثابت ہوا، اسلامی سنٹر میں تعلیم وتعلم کے سلسلہ میں ماریان کے تجربات سے لوگوں نے خوب فائدہ اٹھایا اور انہوں نے وردان کے علاقہ میں مختلف لوگوں کے درمیان رہ کر اپنے اخلاق کے ذریعہ اسلام کی اچھی تصویر پیش کی، اس ماحول میں میرین کو اپنے مسلمان بھائیوں اور بہنوں کے درمیان سچی محبت اور حسن سلوک کا تجربہ ہوا، اب کوئی بھی ایسا موقع نہیں گذرتا جس میں وہاں کی نسل میرین کی خدمات کو یاد نہیں کرتی اور وردان کے اسلامک سینٹر میں بھی اس کا وقار واعتبار ہو گیا۔

اسلام کے لیے اس سچی اور مخلصانہ طلب سے ہمارے قارئین کے لیے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ آج بھی اگر ہم مسلمان زندگی کے ہر گوشہ میں دین برحق کا سچا اور صاف وشفاف نمونہ پیش کریں تو بعید نہیں کہ ہمارے دشمن دوست نہ بن جائیں اور پھر ایک بار وہی فضا پیدا ہو جائے جس کا مشاہدہ دنیا نے اپنی آنکھوں سے کیا ہے اور تاریخ کے صفحات آج بھی اس امانت کو حرف بحرف سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔

آج مغرب کی دنیا سچے دین اور نجات بخش مذہب کی تلاش میں ہے، اور وہ دین صرف اور صرف دین اسلام ہے، اس کو ایک لازوال قانون کی ضرورت ہے اور وہ قانون ودستور دین اسلام ہے، اس کو ایک سچے ہادی اور رہبر ورہنما چاہیے اور وہ رہبر صرف اور صرف ہر زمان ومکان کے لیے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ اور اسوۂ حسنہ ہے۔

☆☆☆☆☆

طب اسلامی

مسواک اور برش

سید خلیل احمد حسنی ندوی

مسواک دانتوں کو صاف کرتی ہے، چمکدار بناتی ہے، منہ کی بدبو سے چھٹکارا دلاتی ہے، ہاضمہ کو درست کرتی ہے اور پروردگار عالم کو راضی کرنے کا کام کرتی ہے، بلکہ بعض ماہرین کا تو یہ بھی کہنا ہے کہ مسواک جسمانی تندرستی، ذہنی ارتقاء اور فکری سلامتی کے لیے اکسیر ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے (السواك مطهرة للفم مرضاة للرب) مسواک منہ کو پاک کرنے والی ہے اور خالق الانس والجن کی پسند کردہ ہے، مسواک کی نمایاں خصوصیت تو منہ کو صاف کرنا اور کھانے کے ذرات کے سڑنے کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے جراثیم سے منہ کی حفاظت کرتا ہے، لیکن مسواک کی ایک نمایاں خصوصیت اور ہے جو اس کو دانتوں کی صفائی کے لیے استعمال ہونے والے دوسرے برشوں سے ممتاز کرتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ مسواک کو اپنی خواہش اور ضرورت کے مطابق موٹا اور پتلا کر سکتے ہیں، مسواک اور برش میں ایک فرق اور ہے برش کے ساتھ پیسٹ کی ضرورت بھی پڑھتی ہے، لیکن مسواک کے لیے پیسٹ کی بھی ضرورت نہیں کیوں کہ مسواک میں جو تری ہوتی ہے وہ تری منہ کے لعاب کے ساتھ شامل ہو کر ایک پیسٹ بن جاتی ہے، اور یہ فطری پیسٹ بازار کے نقلی اور مصنوعی پیسٹوں سے کافی مختلف ہوتا ہے، اس پیسٹ کا اثر دو گھنٹے سے زائد رہتا ہے، پرانے بیکٹریا (Bacteria) اس سے مرتے ہیں، اور نئے بیکٹریا دو گھنٹے تک پیدا نہیں ہو پاتے جبکہ مصنوعی پیسٹ کے استعمال کے صرف چالیس منٹ بعد نئے بیکٹریا پیدا ہونے لگتے ہیں۔

مسواک کی فضیلت پر بے شمار احادیث منقول ہیں، ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا! اگر مسواک کی فرضیت میری امت پر مشقت کا سبب نہ بنتی تو میں ان کے لیے ہر نماز کے موقع پر مسواک کو فرض قرار دے دیتا، ایک اور روایت میں ہے ہر وضو پر میں مسواک لازمی قرار دے دیتا، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا! مسواک کی پابندی کرو وہ منہ کو پاک کرنے والی اور رب کو پسندیدہ ہے، حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا! مسواک منہ کو پاک کرنے والی اور خدا کو پسندیدہ ہے، ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! لوگوں تم کو کیا ہو گیا ہے کہ میں تمہارے دانتوں کا رنگ زرد دیکھ رہا ہوں مسواک کرو، ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب تہجد کے لیے اٹھتے تو مسواک کرتے تھے، ایک اور حدیث جو حضرت عائشہؓ سے منقول ہے وہ فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وضو کا پانی رکھا جاتا تو اس کے ساتھ مسواک بھی رکھی جاتی تھی، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات میں اٹھتے تھے ضروریات سے فارغ ہو کر مسواک کرتے تھے، ایک اور حدیث میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر میں تشریف لاتے تو پہلے مسواک فرماتے تھے، حضرت ابو بردہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسواک کر رہے تھے، اور مسواک آپ کے ہاتھ میں تھی، اور آپ اُع اُع کہہ رہے تھے اور مسواک آپ کے منہ مبارک میں تھی گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قے کر رہے ہوں۔

پیلو کا درخت

پیلو کا درخت سلفادوریہ درخت کی شاخ سے پھوٹتا ہے، یہ درخت صحرائی علاقوں میں بکثرت پایا جاتا ہے جبکہ پہاڑی جگہوں میں کم یاب ہے، یہ درخت انار کے درخت کے مشابہ ہوتا ہے، انتہائی خوبصورت، ہرا بھرا اور لمبا جس کی لمبائی دو سے پانچ میٹر تک ہوتی ہے، اور اس کے تنے کی گولائی ایک فٹ ہوتی ہے، اس کے پتے چمکدار ہوتے ہیں کیونکہ اس میں زیتون کا تیل بھی ہوتا ہے، اس کی کلی سے زرد رنگ کا پانی بھی نکلتا ہے جو میٹھا اور خوشگوار ہوتا ہے، اور انہی کلیوں سے گچھے کے گچھے پھل نکلتے ہیں جو پنیر کے مشابہ اور نہایت لذیذ ہوتے ہیں۔

ہمارے منہ میں باریک اور چھوٹے متعدد ذرات ہوتے ہیں جن کو (الزمرة الميكروبية الفموية Composition of oral microbile) کہا جاتا ہے، یہ منہ کے خالی حصوں میں اپنی جگہ بنا لیتے ہیں، وہ خالی جگہیں سامنے کے ہونٹ میں، داڑھ میں اور جبڑے میں اور دانتوں کے درمیان ہوتی ہیں۔

مسواک پر کی گئی ان تحقیقات سے یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ پیلو کے درخت کی تازی مسواک میں عفص (TANNINS) کا مادہ بڑی مقدار میں ہوتا ہے، اور یہ مادہ جراثیم کش اور بدبو کو زائل کرنے کی خاصیت رکھتا ہے، مزید یہ کہ مسوڑھوں کو مضبوطی فراہم کرتا ہے، اسی طرح اس میں سنجرین (SANGERAN) نامی ایک مادہ اور ہوتا ہے جو خوشبودار ہوتا ہے، اور جراثیم کو زائل کرنے میں معاون ومفید ہوتا ہے، اس میں کلورائڈ (KLORAUD) بھی پایا جاتا ہے، یہ مادہ دانتوں کو صاف اور چمکدار بناتا ہے، اور دانتوں میں کیڑا نہیں لگنے دیتا، یہ مسوڑھوں کے امراض کی بہترین دوا ہے، خالی جگہیں جہاں کیڑے لگ سکتے ہیں ان کو بھر بھی دیتا ہے، ورم کو تحلیل کرنے کا مادہ بھی اس میں ہوتا ہے، اس میں فلورین (FLORIN) کا عنصر بھی پایا جاتا ہے، اس کی خاصیت یہ ہے کہ یہ دانتوں کو مضبوطی عطا کرتا ہے، ہاضمہ قوی کرتا ہے، اسی طرح تحقیق سے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ اس میں کلورین (CHLORINE) کا عنصر بھی ہوتا ہے جو دانتوں کے پیلے پن کو دور کرتا ہے، اور ان کو سفید اور چمکدار بناتا ہے۔

کھانا پیٹ میں منھ کے ذریعہ جاتا ہے، اور اسی وجہ سے وہ جراثیم کا شکار بھی جلدی ہوتا ہے، یہ جراثیم نظام ہضم کو معطل کر دیتے ہیں، اور اگر یہ جراثیم دور نہ کیے جائیں تو بڑے مرض کی شکل اختیار کر لیتے ہیں، یہ منھ میں بدبو پیدا کرتے ہیں، دانتوں کو کمزور کرتے ہیں، مسوڑھوں میں سوزش اور معدہ میں حدت پیدا کر دیتے ہیں، دانت خدا کی ایک عظیم نعمت ہیں، اور ان کا کام بہت اہم ہے، چنانچہ دانتوں کو صحیح رکھنے، بیماری سے بچانے اور ان کو کام کے قابل رکھنے کے لیے خدا نے ہم کو مسواک کا تحفہ دیا، اگر دانتوں کی صفائی کا اہتمام نہ کیا جائے تو دانتوں کا رکا ہوا لعاب نمک بن جاتا ہے، اور یہ نمک مسوڑھوں میں جم جاتا ہے، اس وقت یہ جراثیم ان کھانے کے ذرات کے ساتھ ملکر دانتوں کو نقصان پہونچانے لگتے ہیں، ان میں پیلا پن پیدا کر دیتے ہیں، یہی وہ چیز ہے جس کو سرکار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمایا! لوگوں تم کو کیا ہوگیا کہ میں تمہارے دانتوں کو پیلا دیکھ رہا ہوں، مسواک کرو۔

ڈاکٹر علی بار کا کہنا ہے کہ دانتوں کی صفائی میں کاہلی کا نتیجہ مسوڑھوں میں سوجن کی شکل میں سامنے آتا ہے، اور اس کا سب سے بڑا نقصان دانتوں کا گرنا ہے، دانت خدا کی وہ نعمت ہے جس کا کوئی بدل نہیں، اور یہ بات بھی غور کیے جانے کے لائق ہے کہ ہاضمہ اس وقت تک درست نہیں ہو سکتا جب تک کھانا پوری طرح چبا نہ لیا جائے، اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب دانت صحیح سالم اور ہر بیماری سے محفوظ ہوں۔

☆☆☆☆☆

دعا عبادت کا مغز ہے

بندے کا اپنے مولیٰ سے مدد مانگنا اور اللہ تعالیٰ کا اس دعا کو قبول کرنا وہ نعمت ہے جس کا خیر مقدم کرنا ضروری ہے، دعا قرب الٰہی کا ذریعہ ہے، دعا اللہ تعالیٰ کا انسان پر ایک انعام ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے دعاؤں کے ذریعہ اپنے بندوں کو خود سے ہم کلامی کا شرف بخشا ہے، اللہ تعالیٰ نے خود اپنے رسولوں اور پیغمبروں کو دعا مانگنے کی تلقین فرمائی، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”تم مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول ضرور قبول کروں گا جو لوگ گھمنڈ میں آکر میری عبادت سے منہ موڑتے ہیں وہ ضرور ذلیل وخوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے“۔ [سورہ المومن]

قرآن پاک میں تقریباً ۵۰ مرتبہ دعا کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ اللہ کو وہ بندہ زیادہ پسند ہے جو اس سے سوال کرتا ہے، ایسا ہی وہ بندہ ناپسند ہے جو اس سے دعا نہیں مانگتا، حدیث قدسی ہے: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے فرماتا ہے، اگر تو نے مجھ سے امیدیں وابستہ کیں، تو میں تیرا سینہ فکر سے خالی کر دوں گا اور اگر تم نے بندوں سے امیدیں وابستہ کیں، تو میں تیرا سینہ فکر سے بھر دوں گا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو دعا مانگنے کی بہت تلقین کی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو خاص طور پر دعا مانگنے کی تلقین فرمائی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے ہمیشہ دعا مانگتے تھے، دعا مانگتے ہوئے اول وآخر درود شریف پڑھنا باعث افضل ہے جیسا کہ حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”ہر دعا معلق رہتی ہے، جب تک دعا سے پہلے اول وآخر درود وسلام نہ بھیجا جائے“۔ [صحیح الجامع: ۶/۴۳۸]

☆☆☆

(نجوم تاباں)

حضرت ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ

ادارہ

لوہے کی زنجیر کی دو کڑیوں کے درمیان کم ہی اس قدر مضبوطی اور قرب پیدا ہوا ہوگا جس قدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوسفیان بن حارثؓ کے باہمی روابط وتعلقات مضبوط ومستحکم تھے، ابوسفیان، رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم عمر تھے، یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی تھے، اس طرح کہ ان کے والد حارث اور رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد عبداللہ دونوں حقیقی بھائی تھے اور عبدالمطلب کی اولاد میں ان دونوں کو نمایاں حیثیت حاصل تھی، اور یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی بھی تھے، وہ اس طرح کہ دائی حلیمہ سعدیہؓ نے دونوں کو ایک ساتھ دودھ پلایا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملنے سے پہلے یہ آپؐ کے بڑے گہرے دوست تھے، شکل وشباہت بھی آپ سے ملتی جلتی تھی، آپ نے ایسی قربت دیکھی اور نہ سنی ہوگی، جو ابوسفیان بن حارث اور رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان پائی جاتی تھی۔

اس پس منظر میں غالب امکان یہی ہونا چاہیے تھا کہ یہ سب سے پہلے رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے آپؐ کی اطاعت قبول کر لیتے لیکن انہوں نے بالکل اس کے برعکس طرز عمل اختیار کیا۔ جب رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے اپنے خاندان کے سامنے دین کی دعوت پیش کی، آخرت سے انہیں ڈرانا شروع کیا، تو ابوسفیان بن حارث کے دل میں کینہ وبغض کی آگ بھڑک اٹھی۔ جب کبھی قریش نے رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں آنے کا تہیہ کیا، موقع غنیمت جانتے ہوئے ابوسفیان نے جلتی پر تیل ڈالنے کا مظاہرہ کرتے ہوئے لڑائی کی آگ کو بڑھایا، جب کبھی قریش نے مسلمانوں کو کسی اذیت میں مبتلا کیا، ابوسفیان نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

ایک دفعہ ابوسفیان کے شاعرانہ شیطانی ذہن نے اسے اس بات پر اکسایا کہ وہ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہرزہ سرائی کرے، لہٰذا اس نے آپ کی ہجو میں نہایت ہی بے ہودہ قسم کے شعر کہے، ابوسفیان کی رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عداوت کا دور بیس سال پر محیط ہے، اس دوران آپ کو گزند پہنچانے کے لیے اس نے ہر حربہ استعمال کیا، اور مسلمانوں کی ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا، فتح مکہ سے تھوڑا ہی عرصہ پہلے ابوسفیان کی طرف خط لکھا گیا اور اس میں اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی، ان کے اسلام لانے کی بھی عجیب وغریب داستان ہے جو سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں اب تک محفوظ ہے۔

ہم یہ کہانی ابوسفیان ہی کی زبانی سناتے ہیں، کیونکہ وہ اپنے شعور واحساسات کی روشنی میں بہتر طور پر اپنے اسلام لانے کی منظر کشی کر سکتے ہیں، بیان کرتے ہیں کہ جب دین اسلام مستحکم ہوگیا اور اس نے لوگوں کے دلوں میں جگہ بنالی، رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ مکرمہ پر چڑھائی کی خبر عام پھیل گئی تو مجھ پر زمین اپنی کشادگی کے باوجود تنگ ہوگئی، میں نے سوچا، اب میں کہاں جاؤں گا؟ کس کا ساتھ اختیار کروں گا؟ پھر میں اپنے بیوی بچوں کے پاس آیا، ان سے کہا: مکہ سے بھاگ نکلنے کے لیے فوراً تیار ہو جاؤ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لشکر کے ساتھ عنقریب فاتحانہ انداز میں مکہ معظمہ میں داخل ہو رہے ہیں، مسلمانوں نے اگر مجھے پکڑ لیا تو یقیناً وہ مجھے قتل کر دیں گے، اہل خانہ نے میری باتیں غور سے سن کر کہا: کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ عرب وعجم نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت قبول کر لی ہے اور ان کے دین کو قبول کر لیا ہے، ایک آپ ہی ہیں کہ اپنی عداوت، ضد اور ہٹ دھرمی پر ڈٹے ہوئے ہیں، حالانکہ نبوت سے پہلے آپ ان کے غمگسار اور معاون تھے، اہل خانہ مسلسل دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رغبت دلاتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے میرا سینہ کھول دیا، میں وہاں سے اٹھا اور اپنے غلام سے کہا: میری اونٹنی اور میرا گھوڑا تیار کر دو، میں نے بیٹے جعفر کو ہمراہ لیا اور ہم تیز رفتاری سے ابواء بستی کی جانب چل نکلے، یہ بستی مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع تھی، مجھے یہ بتایا گیا تھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی بستی میں پڑاؤ کیا، جب میں بستی کے قریب پہنچا تو میں نے اپنا بھیس بدل لیا تاکہ کوئی مجھے پہچان نہ سکے، میرے جی میں آیا کہ اگر کسی نے مجھے پہچان لیا تو میں رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچنے سے پہلے ہی قتل کر دیا جاؤں گا، ابھی ابواء بستی ایک میل دور تھی کہ میں نے پیدل چلنا شروع کر دیا، مسلمانوں کے قافلے مکہ مکرمہ کی جانب رواں دواں تھے، میں نے ان سے ڈرتے ہوئے راستہ بدل لیا، مبادا کہ کوئی مجھے پہچان نہ لے

اچانک میں کیا دیکھتا ہوں کہ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سامنے سے اپنی سواری پر نمودار ہوئے تو میں دوڑ کر آپؐ کے سامنے جا کھڑا ہوا، چہرے نقاب اٹھایا آپؐ نے دیکھتے ہی مجھے پہچان لیا، لیکن آپؐ نے نظریں پھیر لیں، اور چہرہ مبارک دوسری طرف کرلیا، میں نے بھی پہلو بدل کر دوبارہ آپؐ کے سامنے آکھڑا ہوا، آپؐ نے پھر اپنا رخ تبدیل کرلیا، اور یہ عمل آپؐ نے کئی مرتبہ دہرایا۔ جب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آرہا تھا، میرے دل میں ذرہ برابر شک نہ تھا کہ آپؐ میرے اسلام قبول کرنے سے خوش ہوں گے اور آپؐ کے صحابہؓ بھی خوش ہوں گے لیکن مسلمانوں نے جب رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا میرے ساتھ بے رخی کا انداز دیکھا تو انہوں نے بھی اپنے تیور چڑھا لیے اور سبھی نے میرے ساتھ بے اعتنائی برتی، حضرت ابوبکرؓ ملے، ان کے بھی تیور بدلے ہوئے تھے، عمر بن خطابؓ نظر آئے، وہ ان سے بھی زیادہ غضبناک دکھائی دے رہے تھے بلکہ انہوں نے میرے خلاف ایک انصاری کو اکسایا تو اس نے مجھے جلی کٹی سنانی شروع کردی، کہنے لگا: اے دشمن خدا! تو وہی ہے جس نے رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہؓ کو اذیت پہنچائی۔ تو نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت میں ایڑی چوٹی کا زور لگادیا۔ یہ انصاری مجھے مسلسل بلند آواز سے ڈانٹ پلائے جارہا تھا اور مسلمان کنکھیوں سے میری درگت بنتے دیکھ رہے تھے، اتنے میں مجھے میرے چچا عباسؓ نظر آئے، میں نے جھپٹ کر ان کا دامن پکڑا اور التجا کی چچا جان! میری مدد کیجئے، میرا یہ خیال تھا کہ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میرے اسلام قبول کرنے سے خوش ہوں گے، لیکن میرا جو حال ہو رہا ہے آپ دیکھ رہے ہیں، آپ ہی ان سے سفارش کریں کہ ازراہ کرم مجھے معاف کردیں، میری التجا سن کر چچا عباسؓ بولے: بخدا! میں تو کسی مناسب وقت پر ہی رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرسکوں گا، کیونکہ میں نے بچشم خود دیکھا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم سے بہت زیادہ دل برداشتہ ہیں، سچی بات ہے میرے دل پر ان کا بہت زیادہ رعب و دبدبہ ہے، میں نے عرض کی چچا جان! آپ نے بھی میری مدد نہ کی تو میرا کیا بنے گا؟ میں کہاں سر چھپاؤں؟ وہ بولے: میں کچھ نہیں کرسکتا۔

چچا جان کی یہ بے رخی دیکھ کچھ نہ پوچھئے کہ مجھ پر کیا بیتی؟ میں غم واندوہ کے مارے نڈھال ہوگیا، تھوڑی ہی دیر بعد مجھے میرے چچازاد بھائی علی ابن ابی طالبؓ دکھائی دیے۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ ہی اس مشکل وقت میں میرا ساتھ دیں۔ میری مدد کریں، یہاں کوئی بھی میری سننے والا نہیں، تو انہوں نے بھی مجھے چچا عباسؓ جیسا جواب دیا، میں دوبارہ چچا عباسؓ کی طرف پلٹا اور عرض کی چچا جان! اگر آپ یہ نہیں کرسکتے کہ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا دل مجھ پر نرم ہوجائے، کم از کم اس انصاری کو روک دیں جو مجھے کافی دیر سے بے نقط سنائے جارہا ہے، اور لوگوں کو میرے خلاف بھڑکا رہا ہے، انہوں نے پوچھا وہ کون ہے؟ میں نے بتایا نعیمان بن حارث نجاری ہے، چچا جان نے اس کی طرف پیغام بھیجا اور کہا، دیکھو نعیمان یہ ابوسفیان رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا چچازاد بھائی ہے اور میرے حقیقی بھائی کا لخت جگر ہے، اگر اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہیں تو کل راضی ہوجائیں گے، آپ اس کے خلاف اپنی زبان بند کریں، چچا جان کی بات سن کر وہ مجھے برا بھلا کہنے سے باز آگیا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جحفہ مقام پر فروکش ہوئے، خیمے نصب کردیے گئے، آپؐ اپنے خیمے میں داخل ہوئے، میں انتہائی عاجزی وانکساری کے ساتھ باہر خیمے کی دہلیز پر بیٹھ گیا، میرے پاس میرا بیٹا جعفر کھڑا رہا، خیمے سے نکلتے ہوئے جب آپؐ نے مجھے دیکھا، نفرت کا اظہار کرتے ہوئے اپنا روئے مبارک دوسری طرف کرلیا، لیکن میں نے ہمت نہ ہاری مسلسل آپ کو راضی کرنے کے لیے کوشاں رہا، راستے میں جہاں بھی آپؐ پڑاؤ کرتے۔ میں آپؐ کے خیمے کے باہر مسکین بن کر بیٹھ جاتا اور میرا بیٹا جعفر میرے پاس کھڑا رہتا، آپ جونہی مجھے دیکھتے نفرت سے چہرہ انور دوسری طرف پھیر لیتے یہ سلسلہ کافی عرصہ تک جاری رہا، جب میرے لیے عرصہ حیات تنگ ہوگیا، میں نے اپنی بیوی سے کہا: بخدا! یا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہوجائیں گے، ورنہ میں اور میرا بیٹا اوندھے منہ زمین پر بھوکے پیاسے لیٹے رہیں گے، یہاں تک کہ ہماری موت واقع ہوجائے، جب میری یہ حالت رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوئی، آپؐ کے دل میں رقت پیدا ہوئی، آپؐ اپنے خیمے سے باہر آئے، مجھے شفقت بھرے انداز سے دیکھا، میرے جی میں آیا کاش کہ آپ مسکرادیں۔ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں فاتحانہ انداز میں داخل ہوئے، میں آپ کی رکاب پکڑے ہوئے تھا، جب آپؐ بیت اللہ کی طرف چلے میں بھی آپ کے آگے آگے دوڑتا ہوا چلا، غرض کہ آپؐ جدھر کا رخ کرتے میں بھی کسی صورت آپؐ سے جدا نہ ہوتا۔

غزوہ حنین میں رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف عرب نے اپنی پوری قوت مجتمع کردی، اور آپؐ کے مقابلے کے لیے اتنی زبردست تیاری کی کہ اس سے پہلے کبھی ایسی تیاری نہ کی تھی۔ کفار نے یہ پختہ عزم کرلیا تھا اس دفعہ مسلمانوں پر ایک فیصلہ کن ضرب لگائی جائے، رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم، دشمن سے برسرپیکار ہونے کے لیے اپنے جانثار ٹولے کر سربکف میدان کارزار کی طرف نکلے تو میں بھی ساتھ ہولیا، جب مجھے مشرکین کا جم غفیر دکھائی دیا، میں نے دل میں کہا، خدا کی قسم! آج میں سارے دھونے دھوؤں گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آج میری کارکردگی دیکھ کر یقیناً خوش ہوجائیں گے، مجھے امید واثق ہے کہ آج خدا تعالیٰ بھی مجھ پر راضی ہوجائے گا، جب دونوں فوجوں میں گھمسان کا رن پڑا، پہلے مرحلے میں مشرکین کا پلہ بھاری ہوگیا، وہ مسلسل مسلمانوں کو روندتے ہوئے آگے بڑھتے گئے، قریب تھا کہ یہ شکست فاش سے دوچار ہوتے، اچانک میں کیا دیکھتا ہوں کہ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میدان کارزار میں اپنے گھوڑے پر سوار دشمن کے مقابلے میں چٹان کی طرح ڈٹے ہوئے ہیں، آپؐ اپنی تلوار سے شیر کی مانند اپنا بھی دفاع کررہے تھے اور اپنے صحابہؓ کا بھی۔

اس نازک موقع پر میں نے اپنے گھوڑے سے چھلانگ لگادی، میں نے اپنی تلوار کی نیام کو توڑ دیا، اور سربکف میدان میں نکل آیا، آج میری دلی تمنا یہ تھی کہ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرتے ہوئے میں قربان ہوجاؤں۔

چچا عباسؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے کی لگام تھام رکھی تھی اور یہ آپؐ کے دائیں طرف کھڑے تھے اور میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں طرف مورچہ تھام لیا، میرے دائیں ہاتھ میں تلوار تھی، جس سے میں رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کررہا تھا اور بائیں ہاتھ سے میں نے آپ کے گھوڑی کی لگام کو تھام رکھا تھا۔ جب رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جھپٹتے ہوئے دیکھا، تو چچا عباسؓ سے پوچھا: یہ کون ہے؟ انہوں نے بتایا حضور! یہ آپ کا چچازاد بھائی ابوسفیان ہے، آج آپؐ اسے معاف کردیں، اس پہ راضی ہوجائیں، یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آج میں اس پہ راضی ہوں، اور ساتھ ہی یہ دعا دی کی: الٰہی! اس سے ہر وہ عداوت معاف کردے جو اس نے میرے ساتھ روا رکھی۔ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کو دیکھ کر میرا دل خوشی سے اچھل پڑا، میں نے رکاب میں آپؐ کے پاؤں کو بوسہ دیا۔

آپ میری طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا: میرے بھائی آگے بڑھو، دشمن کو تہ تیغ کرو، بس آپ کا یہ فرمان سن کر دشمن پر ٹوٹ پڑا، اور مسلمانوں کو ساتھ ملا کر ایسا زوردار حملہ کیا کہ دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے، ہم نے تین میل تک دشمن کو پیچھے دھکیل دیا، اور ان کی اجتماعیت کو مختلف سمتوں میں بکھیر کر رکھ دیا۔

غزوہ حنین کے بعد ابوسفیان بن حارثؓ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کے مستحق ہوکر آسودہ زندگی بسر کرنے لگے اور آپؐ کے اخلاق حسنہ سے مستفیض ہونے لگے، لیکن یہ اپنی نگاہیں شرمندگی کی بنا پر حضور علیہ السلام کے سامنے جھکائے رکھتے، جب کفر میں بیتے ہوئے دن آتے تو پریشان ہوجاتے، ابوسفیانؓ کو جب وہ دن یاد آتے جو انہوں نے زمانہ جاہلیت میں نور الٰہی اور کتاب مقدس قرآن مجید سے محرومی کی صورت میں گزارے تو زار وقطار رونا شروع کردیتے، لیکن اب یہ دن رات قرآن مجید کی تلاوت میں مگن رہنے لگے، اور اس کی آیات پر غور وتدبر کرنے لگے، قرآن حکیم کے احکامات پر عمل پیرا ہونے کے لئے کمربستہ ہوگئے۔ دنیاوی زیب وزینت کو خیرباد کہہ دیا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ لو لگادی۔

ایک دن رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے، ابوسفیانؓ پہلے سے وہاں پر موجود تھے۔ حضرت عائشہؓ سے مخاطب ہوئے اور کہا: کیا تم جانتی ہو یہ کون ہے؟ عرض کیا: نہیں آپؐ نے فرمایا یہ میرا چچازاد بھائی ابوسفیان بن حارثؓ ہے۔ آج کل یہ مسجد میں سب سے پہلے آتا ہے اور سب سے بعد میں یہاں سے جاتا ہے اور راستے میں چلتے ہوئے اپنی نگاہیں زمین پہ گاڑے رکھتا ہے آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا اور نہ ہی ادھر ادھر جھانکتا ہے۔

رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جب وصال ہوا ابوسفیان اتنا روئے جیسے کوئی ماں اپنے اکلوتے بیٹے کی وفات پر نوحہ کناں ہوتی ہے۔ یا جیسے کوئی دوست اپنے عزیز دوست کی وفات پر آہ وبکا کرتا ہے، اور حزن ملال میں ڈوب کر ایسا مرثیہ کہا جس سے سننے والوں کو رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے جب اپنے آپ کو موت کے دہانے پر محسوس کیا تو اپنے ہاتھوں سے اپنی قبر کھودی، قبر کو کھودے ابھی تین ہی دن گزرے تھے کہ موت کا وقت آگیا، یوں معلوم ہوا جیسے کہ انہیں پہلے بتادیا گیا ہو، یہ اپنے بیوی بچوں اور دیگر خاندان افراد سے مخاطب ہوکر فرمانے لگے، مجھ پر رونا نہیں ہوگا، الحمد للہ جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے اللہ کے فضل وکرم سے کسی گناہ کا ارتکاب نہیں کیا، بس اس جملے کا ادا کرنا ہی تھا کہ ان کی پاکیزہ روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی، ان کی موت کو اہل اسلام کے لیے ناقابل تلافی نقصان قرار دیا گیا۔

☆☆☆☆☆

فقہ وفتاویٰ

سوال وجواب

مفتی محمد ظفر عالم ندوی

سوال: بعض مسجدوں میں ایسے ٹائلس لگے ہوتے ہیں جن میں بغور دیکھنے سے نمازیوں کی صورتیں نظر آتی ہیں اور ان کی حرکات وسکنات بھی دکھائی پڑتی ہیں، سوال یہ ہے کہ مسجدوں میں اس طرح کے ٹائلس لگانا درست ہے اور کیا تصویروں اور حرکات وسکنات نظر آنے کی وجہ سے نماز درست ہوجائے گی؟

جواب: مسجد کی رقم سے مسجد کی تزئین کاری اور نقش ونگار درست نہیں، البتہ ذاتی رقم سے اگر کوئی ایسا کرے تو صرف اس حد تک اجازت ہے کہ بے جا اسراف نہ ہو اور اگر ٹائلس اس طرح ہوں کہ اس میں انسان کی صورتیں نظر آتی ہوں تو یہ بھی خلاف اولیٰ ہے تاہم نماز ادا ہوجائے گی۔ [ردالمحتار: ۲/ ۴۳۰، ۴۳۱]

سوال: مسجد کے محراب اور اس کے ارد گرد شیشہ اور ایسے ٹائلس اور ماربل لگانا جو بے حد چمکدار ہوں اور نمازی کی صورتوں کے علاوہ حرکات و سکنات بھی نظر آتی ہوں درست ہے؟ کیا صورتوں کے سامنے نظر آنے کی وجہ سے نماز پر کوئی اثر تو نہیں پڑے گا؟

جواب: مسجد کی دیوار اور محراب میں اس قسم کے نقش ونگار جس سے نمازی کی یکسوئی متاثر ہوتی ہو، مسجد کی رقم سے کسی طرح جائز نہیں اور ذاتی رقم سے کرنا بھی مکروہ ہے البتہ نماز ہوجائے گی۔ [الدرالمختار: ۱/ ۶۸۸]

سوال: امام کے سامنے یا محراب مسجد میں کسی قسم کا طغریٰ لٹکانا یا کسی طرح کی تحریر لکھنا کیسا ہے؟

جواب: ایسے طرز پر کوئی چیز لٹکانا یا لکھنا کہ نمازیوں کا دھیان منتشر ہوجائے، مکروہ ہے۔ [ردالمختار: ۱/ ۶۵۸]

سوال: مسجد میں کعبہ اور مسجد نبوی کا فوٹو لٹکانا کیسا ہے؟

جواب: اگر ان تصویروں سے نمازیوں کا دھیان بٹتا اور منتشر ہوتا ہو تو ان کا لٹکانا مکروہ ہے۔

سوال: تختہ سیاہ پر احادیث نبوی یا نصیحت کی باتیں لکھ کر مسلمان کی اصلاح کی غرض مسجد کے داخلی دروازہ پر لٹکانا کیسا ہے؟

جواب: مسلمانوں کی اصلاح کی غرض سے مسجد کے داخلی دروازہ پر تختہ سیاہ پر احادیث نبوی اور دیگر دینی باتیں لکھ کر لٹکانا جائز اور درست ہے۔ [فتح الباری: ۲/ ۱۱۷]

سوال: مسجد کے اندر بنے کمرہ میں مسجد ہی کے امور اور کام کے لئے دفتر بنانا کیسا ہے؟

جواب: اگر اس کمرہ میں بنانے کے وقت سے نماز پڑھی جاتی ہے اور وہ مسجد میں داخل ہے تو اس کو دفتر بنانا یا کسی اور مصرف میں لانا درست نہیں ہے۔ [ردالمحتار: ۴/ ۳۵۸، مجمع الانہر: ۲/ ۵۹۵]

سوال: پرانی مسجد کا سامان اور میٹریل اپنے مکان یا مدرسہ کی بلڈنگ میں لگانا کیسا ہے؟

جواب: مسجد کے ذمہ داروں سے خرید کر اپنے مکان یا مدرسہ وغیرہ کی بلڈنگ میں لگانے میں کوئی حرج نہیں بلکہ جائز ہے۔ [فتاویٰ ہندیہ: ۲/ ۴۵۹]

سوال: اگر جائے نماز پر مختلف قسم کی نقاشی ہو تو اس پر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: اگر کسی جاندار کی تصویر سجدہ کی جگہ پر نہ ہو تو نماز درست ہوگی اور اگر تصویر پاؤں رکھنے یا بیٹھنے کی جگہ پر ہو تو اس میں کوئی ضرر نہیں بلکہ بلا کراہت نماز درست ہوگی۔ درمختار میں ہے: "لا یکرہ لو کانت تحت قدمیہ أو محل جلوسہ لانہا مہانۃ" (اگر تصویر قدمین کے نیچے ہو یا بیٹھنے کی جگہ ہو تو نماز مکروہ نہیں ہوگی)۔ [الدرالمختار علی ردالمحتار: ۲/ ۴۱۷]

سوال: بعض مسجدوں کے برآمدہ والے حصہ میں قبریں ہوتی ہیں جب نمازی زیادہ ہوجاتے ہیں بالخصوص جمعہ میں تو ایسی جگہ نماز پڑھنی پڑتی ہے جس کے سامنے قبریں ہوتی ہیں تو ایسی صورت میں نماز ہوگی یا نہیں؟

جواب: قبر کے سامنے نماز پڑھنا اس وقت مکروہ ہے جبکہ نمازی اور قبر کے سامنے کوئی چیز حائل نہ ہو اور اگر قبریں دیوار سے گھری ہوں اور نمازی اور قبر کے درمیان دیوار حائل ہو تو نماز بلا کراہت درست ہوگی۔ [فتاویٰ ہندیہ: ۵/ ۳۱۹، ۳۲۰]

سوال: بعض مسجدوں کی دیواروں پر بہت سے اشتہارات، کلنڈر اور مختلف مضامین کے ہینڈ بل لگے ہوتے ہیں اور نگاہ دوران نماز کلنڈر وغیرہ کے مضامین پر پڑتی رہتی ہے، سوال یہ ہے کہ دیوار قبلہ میں اس طرح کے کلنڈر اور ہینڈ بل وغیرہ لٹکانا کیسا ہے؟ نمازی کی نگاہ ان پر پڑنے کی وجہ سے نماز ہوگی یا نہیں؟

جواب: مسجد کی دیوار پر اشتہار، کلنڈر اور مختلف مضامین والے کاغذات وغیرہ لٹکانا مناسب نہیں، اس سے نمازی کا دھیان بٹتا اور خشوع وخضوع میں فرق پڑتا ہے، البتہ نمازی کے ان مضامین کو دیکھ لینے اور سمجھ لینے کی وجہ سے مفتی بہ قول کے مطابق نماز فاسد نہیں ہوگی۔ [البحرالرائق: ۲/ ۱۵]

سوال: آج کل نوجوانوں میں بغیر ٹوپی کے نماز پڑھنے کا رجحان بڑھتا جارہا ہے، سوال یہ ہے کہ بغیر ٹوپی کے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول سر ڈھک کر نماز پڑھنے کا تھا، علامہ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا "مواب" نامی عمامہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ٹوپی کے اوپر پہنتے اور کبھی صرف ٹوپی پہنتے، عمامہ نہیں۔ [زادالمعاد ۱/ ۱۳۵] اس لیے فقہاء نے لکھا ہے کہ ٹوپی یا عمامہ موجود ہوسکے باوجود صرف سستی اور کاہلی کی وجہ سے بغیر ٹوپی وعمامہ کے نماز پڑھی جائے تو یہ مکروہ ہے۔ [فتاویٰ ہندیہ: ۱/ ۱۰۶] مشہور عالم دین مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ لکھتے ہیں: صحیح مسنون طریقہ نماز کا وہی ہے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بالدوام ثابت ہوا ہے یعنی بدن پر کپڑے اور سر ڈھکا ہوا ہو، پگڑی سے یا ٹوپی سے۔ [فتاویٰ ثنائیہ: ۱/ ۵۲۵] البتہ اگر ٹوپی یا عمامہ ہی کسی کے پاس نہ ہو تو اسکی وجہ سے نماز نہ چھوڑے بلکہ بغیر ٹوپی کے نماز ادا کرلے، اس سے بھی نماز ہوجائے گی؛ لیکن اس کو معمول بنانا کراہت سے خالی نہیں۔

سوال: مساجد میں ایسا دیکھا جاتا ہے کہ بعض لوگ شرٹ اِن کرکے بھی نماز پڑھتے ہیں کیا اس طرح نماز ادا کرنا درست ہے؟

جواب: شرٹ اِن کرنے کی وجہ سے کمر کے نیچے کے حصہ میں اعضاء کی ساخت نمایاں ہوجاتی ہے اور ایک گونہ بے پردگی ہوتی ہے حالانکہ نماز کی حالت میں ستر اور پردہ کا خاص طور پر حکم ہے، اسلئے حالت نماز میں اس طرح کی بے ستری نامناسب ہے جس سے گریز کرنا چاہئے البتہ نماز ادا ہوجائے گی۔ [الدرالمختار علی ردالمحتار: ۱/ ۹۱]

سوال: پینٹ یا پائجامہ ٹخنے سے نیچے لٹکتا ہو تو نماز درست ہوگی یا نہیں؟

جواب: ٹخنے سے نیچے لٹکتا ہوا کپڑا پہننا عام حالات میں بھی ممنوع ہے، حدیث پاک میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تین شخص وہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سے بات نہیں کریں گے اور نہ اسکی طرف نگاہ رحمت فرمائیں گے اور نہ ہی ان کو گناہوں سے پاک کریں گے اور ان کے لئے سخت عذاب ہوگا، ان تینوں میں پہلا شخص وہ ہوگا جو اپنے کپڑے ٹخنوں سے نیچے لٹکا رکھے۔ [سنن ابوداؤد حدیث/ ۴۰۸۸]

اس طرح کی حدیثوں کو سامنے رکھتے ہوئے فقہاء نے لکھا ہے کہ پائجامہ (یا پینٹ وغیرہ) ٹخنوں سے نیچے رکھنا ممنوع ومکروہ تحریمی ہے اور نماز کی حالت (جو ایک اہم عبادت ہے) میں ایسا کرنا مزید کراہت اور گناہ ہے البتہ نماز ہوجائے گی۔

سوال: ہاف شرٹ میں نماز ادا کرنا کیسا ہے، اسی طرح اگر فل شرٹ ہو؛ لیکن آستین نماز کی حالت میں کہنیوں سے اوپر اٹھا لینا کیسا ہے؟

جواب: آستین کو کہنیوں تک اٹھا کر نماز پڑھنا مکروہ اور خلاف ادب ہے۔ فقہاء نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ ایسا کرنا مکروہ ہے: "ولو صلی رافعاً کفیہ الی المرفقین کرہ" اور وہ لوگ جو ہاف شرٹ پہننے کے عادی ہیں اور ہر جگہ ان کا وہی لباس ہے تو ان کے لئے ہاف شرٹ استعمال کرنے کی حالت میں بھی نماز ادا کرنے کی گنجائش ہے۔ [فتاویٰ ہندیہ: ۱/ ۱۰۶]

☆☆☆☆☆

نتیجہ مقالہ نویسی ۲۰۱۳ء

ادارہ علوم القرآن علی گڑھ نے طلبہ میں قرآنی ذوق پیدا کرنے کے لیے حسب معمول سال رواں بھی ملکی سطح پر مقالہ نویسی کا مسابقہ منعقد کیا، اس پانچویں مسابقہ میں جن طلبہ نے حصہ لیا ان میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے مندرجہ ذیل طلبہ انعام کے مستحق قرار پائے۔

موضوع: مومن قرآن کے آئینے میں

۱-عبدالمعید بن سلامت اللہ	پہلی پوزیشن	10.000/- روپے
۲-سید فرقان المالکی	تشجیعی انعام	1000/- روپے
۳-عمر سیاف بن محمد اسماعیل	تشجیعی انعام	1000/- روپے

NADWATUL-ULAMA
PO. BOX 93, TEGORE MARG,
LUCKNOW
226007 U. P. (INDIA)
Phone : 0522-2741231

ندوۃ العلماء
پوسٹ باکس ۹۳، ٹیگور مارگ، لکھنؤ
۲۲۶۰۰۷ یوپی (ہند)
فون نمبر : ۲۷۴۱۲۳۱-۰۵۲۲

Date 17/10/2013

تاریخ یکم ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ

اپیل

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی ناظم ندوۃ العلماء کی سرپرستی میں اپنی علمی و دینی خدمت میں مصروف ہے، اور طالبان علوم نبوت جوق در جوق آ آ کر اس سرچشمۂ علم سے فیضیاب ہو رہے ہیں، طلباء کی کثرت کی وجہ سے دارالعلوم کی مسجد میں مزید نمازیوں کے لیے گنجائش نہیں رہ گئی ہے، بارش یا دھوپ میں طلباء کو بہت تکلیف ہوتی ہے، اس صورت حال کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی مدد کے بھروسہ پر مسجد کی مزید توسیع کا فیصلہ کیا گیا ہے۔

مسجد دارالعلوم ندوۃ العلماء کے وسیع صحن کے نیچے بیسمنٹ اور صحن پر چھت ڈال کر اس کے اوپر ایک منزل تعمیر کرنے کا منصوبہ ہے، جس پر مبلغ/1,94,59,700 (ایک کروڑ، چورانوے لاکھ، انسٹھ ہزار، سات سو روپئے) خرچ کا تخمینہ ہے، جو انشاء اللہ اہل خیر حضرات کے تعاون سے پورا ہوگا۔

ہم امید کرتے ہیں کہ آپ اس اہم ضرورت کی طرف فوری توجہ فرمائیں گے اور ندوۃ العلماء کے کارکنوں کا ہاتھ بٹائیں گے اور مسجدوں کی تعمیر میں اللہ نے جو اجر و ثواب رکھا ہے اس کے مستحق بن سکیں گے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:

"جو کوئی اللہ کے لیے مسجد تعمیر کرائے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر تعمیر کرائے گا"۔

(مولانا مفتی) محمد ظہور ندوی	(مولانا) محمد واضح رشید ندوی	(پروفیسر) اطہر حسین	(مولانا) سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	(مولانا) محمد حمزہ حسنی ندوی
نائب ناظم	معتمد تعلیم	معتمد مال	مہتمم دارالعلوم	ناظر عام
ندوۃ العلماء	ندوۃ العلماء	ندوۃ العلماء	ندوۃ العلماء	ندوۃ العلماء

چک/ڈرافٹ پر صرف یہ لکھیں:
NADWATUL ULAMA
A/C NO. 10863759733
(State Bank of India Main Branch, Lucknow.)

اس پتہ پر ارسال کریں:
NAZIM NADWATUL ULAMA,
P.O. BOX NO. 93, TAGORE MARG,
LUCKNOW - 226007 (U.P.)

Phone : (0522) 2741231, 2741316, 2740151, Fax : 2741221
E-mail address:nadwa@sancharnet.in/ website: www.nadwatululama.org.

Res: 2226177
Akbari Gate
2268845
Shop: 9415002532
2613736
3958875
سونے چاندی کی دنیا میں ۷۵ سالہ دیرینہ نام
حاجی صفی اللہ جویلرس
ہمارا نیا شوروم
پروپرائٹر: محمد اسلم
گڑبڑ جھالہ کے سامنے امین آباد لکھنؤ
HAJI SAFIULLAH JEWELLERS
Opp: Gadbad Jhala Aminabad, Lucknow-18

MAQBOOL JEWELLERS
مقبول جویلرس
جوتے والی گلی امین آباد
Jutey Wali Gali, Aminabad Lucknow
Mob.: 9956069081-9919089014
Shop No. S-13 Gole Market, Mahanagar Lucknow
Ph: 0522-4000130 (S) - 4001130

MOHD. RAIS AYYUBI
Hafiz
Tailors
SPECIALIST IN : SUIT & SHERWANI
Naaz Cinema Road, Aminabad, Lucknow, Mobile :9415467665

Phone: 0522-3058047
ریڈی میڈ مردانہ ملبوسات کا قابل اعتماد مرکز
اعلیٰ کوالٹی، جدید ترین فیشن کے ساتھ
Shirt, Trousers, Coats, Embroidered Sherwanis, Pullowers, Jackets, Kurta-Suits, Night Suits, Gown & Ties
menmark®
Men's Exclusive
MFG, Wholesale, Export & Retail
58, Halwasia Market, Hazratganj, Lucknow-226001

پروپرائٹر: ولی اللہ
ولی اللہ جویلرس
WALIULLAH
Jewellers
ALL KINDS OF GOLD, SILVER & DIAMOND JEWELLERY
Mob. 9415090544, 9936672278
Phone : 0522-2627446 (S)
e-mail : waliullahjewellers@gmail.com
Jutey Wali Gali, Aminabad, Lucknow

ممبئی کے قارئین کی خدمت میں
ممبئی کے قارئین "تعمیر حیات" سے گزارش ہے کہ "تعمیر حیات" کے سلسلہ میں رقم جمع کرنے یا خریدار بننے کے سلسلہ میں ذیل کے پتہ پر رابطہ قائم کریں، وہاں ان کو رقم جمع کرنے کی رسید مل جائے گی۔
ALAUDDIN TEA
44, Haji Building S.V. Patel Road
Null Bazar, Mumbai-400003
Tele Add Cupkettle
Ph: 23460220-23468708

Mohd. Zubair
Mohd. Salman
0522-2618629
09415028247
09919091462
Sahara FOOTWEAR
wholesale
35, Amethi House, Near Post Office, Aminabad, Lucknow-18